قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ج
(سورۃ البقرۃ:۲۵۶)

اُصُولِ تَکْفِیر و تَضْلِیل

تالیف

حضرت علامہ مولانا **محمد ناظم علی مصباحی** صاحب قبلہ

استاذ الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ

باہتمام

مفتی محمد کلیم مصباحی ابن علامہ یونس مصباحی (یوکے)

متخصص فی الفقہ: الجامعۃ الاشرفیہ، مباک پور، اعظم گڑھ

ناشر:

مکتبۃ الحرمین مصباحی ویلفیئر مشن (یوکے)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قَدْ تَّبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ (سورۃ البقرۃ:۲۵۶)

اصولِ تکفیر و تضلیل

تالیف

حضرت علامہ مولانا محمد ناظم علی مصباحی صاحب قبلہ

استاذ الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ

باہتمام

مفتی محمد کلیم مصباحی ابن علامہ یونس مصباحی (یوکے)

متخصص فی الفقہ: الجامعۃ الاشرفیہ، مباک پور، اعظم گڑھ

ناشر

مکتبۃ الحرمین مصباحی ویلفیئر مشن (یوکے)

تفصیلات

نام کتاب	اصولِ تکفیر و تضلیل
تالیف	حضرت علامہ مولانا محمد ناظم علی مصباحی صاحب قبلہ استاذ الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ
تقدیم و تعارف	مولانا طفیل احمد مصباحی دار العلوم فیضان اشرف رئیس العلوم کھمبات شریف، ضلع آنند، گجرات
باہتمام	مفتی محمد کلیم مصباحی ابن علامہ یونس مصباحی (یوکے) متخصص فی الفقہ: الجامعۃ الاشرفیہ، مباک پور، اعظم گڑھ
اشاعت	جمادی الاولی ۱۴۴۴ھ/ دسمبر ۲۰۲۲ء
صفحات	۱۴۸
تزئین	محمد اسلم مصباحی، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ

ناشر

مکتبۃ الحرمین مصباحی ویلفیئر مشن (یوکے)

فہرست مضامین

عنوانات ——— صفحہ نمبر

☆☆☆☆☆

عرض مؤلف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد لولیہ والصلاۃ والسلام علی نبیہ وعلی آلہ وصحبہ وحزبہ، أما بعد:

اللہ رب العزت کے فضل اور اس کے حبیب اعظم سید عالم ﷺ کے بے پایاں کرم سے اس ناچیز، بے بضاعت و کم مایہ نے ”اصول تکفیر و تضلیل“ نامی کتاب تالیف کی اس موضوع پر اپنی وسعت کے اعتبار سے تحقیق میں کوئی کسر باقی نہ رکھی پھر بھی اگر کسی قسم کی کوئی کوتاہی نظر آتی ہے تو ارباب علم اس بے مایہ کی اصلاح فرمائیں اور اپنی نیک دعاؤں اور نیک خواہشات میں یاد رکھیں۔

اس مقام پر میں جماعت اہل سنت کے قد آور نامور عالم دین، فاضل شرع متین، فخر گجرات حضرت علامہ مولانا یونس مصباحی صاحب، بانی جامعۃ معینیہ اظہر العلوم، (گجرات)، مصباحی ویلفیئر مشن (یوکے) کا تہِ دل سے شکر گزار ہوں کہ انھوں نے سیدنا سرکار حافظ ملت رحمۃ اللہ تعالی علیہ کے عرس سراپا قدس کے زریں موقع سے اپنے فرزند ارجمند، لخت دل بند، گلشن حافظ ملت کے گل سرسبد مفتی محمد کلیم مصباحی، متعلم شعبہ تخصص الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ کی دستار افتا کے موقع پر مکتبۃ الحرمین، مصباحی ویلفیئر مشن، (یوکے) کے زیر اہتمام اس ناچیز کی کتاب کی اشاعت فرما کر حوصلہ افزائی فرمائی اور دین متین کے فروغ وارتقا میں نمایاں کردار انجام دیا۔ رب کریم اپنے حبیب اعظم ﷺ کے صدقے میں ان دونوں حضرات کی اس دینی و علمی خدمت کو قبول فرمائے، انھیں دارین کی سعادتوں سے مالا مال فرمائے، بلند اقبال فرمائے اور ان کے دینی کارناموں سے عالم اسلام کو فیض یاب فرمائے۔ آمین یا رب العالمین بجاہ نبي الأمین الکریم وعلیہ وعلی آلہ أزکی التحیۃ وأسمی التسلیم.

محمد ناظم علی مصباحی

خادم جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ، یوپی

۱۳/ جمادی الاولی ۱۴۴۴ھ /۸/ دسمبر ۲۰۲۲ء، بروز پنج شنبہ مبارکہ

تقریظ

فخر گجرات حضرت علامہ مولانا **یونس مصباحی** صاحب قبلہ

بانی جامعۃ معینیہ اظہر العلوم، (گجرات)، مصباحی ویلفیئر مشن (یوکے)

اہلسنت و جماعت کی مایہ ناز دینی درسگاہ مادر علمی مصباح العلوم الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور میں عرس حافظ ملت کے پر بہار موقع سے دستار فضیلت کے پر مسرت ساعتوں میں ہمارے ہم سبق حضرت علامہ و مولانا محمد ناظم علی مصباحی صاحب قبلہ کی کتاب اصول تکفیر و تضلیل کو شائع کرنا نور علی نور ہے، اور زیادہ خوشی کی بات یہ کہ ہمارے نیک و سعید فرزند محمد کلیم مصباحی کو بھی دستار افتا سے نوازا جائے گا اور اس کتاب کو اپنی دستار کی یادگار کے طور پر شائع کرنے کی سعادت حاصل کی جارہی ہے۔

ہمارے ہم سبق حضرت علامہ و مولانا محمد ناظم علی مصباحی صاحب قبلہ شروع سے بہت ذہین اور باصلاحیت تھے اور برسوں سے الجامعۃ الاشرفیہ میں پڑھانے کی وجہ سے آپ کی صلاحیتوں میں اور چار چاند لگ گئے، اللہ تعالیٰ آپ کی استعداد میں اور اضافہ فرمائے۔

یہ کتاب "اصول تکفیر و تضلیل" وقت کی اہم ضرورت ہے، یہ موضوع بہت طویل ہے لیکن حضرت نے اپنی کمال مہارت سے اس مضمون کو کوزہ میں سمندر کا درجہ دیا ہے، ناچیز نے اس کتاب کا مطالعہ کرکے یہ اندازہ لگایا کہ اہل علم کو بھی اس سے استفادہ کرنا چاہئیے۔ تضلیل سے تکفیر کا فتویٰ بہت مشکل ہوتا ہے اور بے اصول اس میں تصرف کرنا خطرہ سے خالی نہیں اسی لیے بڑے بڑے مفتیان کرام بھی اس طرح کا فتویٰ دینے سے کانپ جاتے ہیں، اصول کی رعایت سے اس میں بڑی آسانی فراہم ہوسکتی ہے جس پر طبع آزمائی مولانا موصوف نے فرمائی۔

نجات کے لیے ایمان ضروری ہے اور اسے بچانے کے لیے کفر سے بچنا بہت ضروری ہے جیسا کہ حدیث پاک میں ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: سُئِلَ رَسُولُ اللهِ ﷺ أَيُّ الْأَعْمَالِ أَفْضَلُ؟ قَالَ: «إِيمَانٌ بِاللهِ وَرَسُولِهِ .(الصحيح لمسلم كتاب الايمان ،رقم: ۲٤۷)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا: کون سا عمل سب سے افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: ”اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا۔“

اَلْإِيْمَانُ عِبَارَةٌ عَنِ التَّصْدِيْقِ بِكُلِّ مَا عُرِفَ بِالضَّرُوْرَةِ كَوْنُهُ مِنْ دِيْنِ مُحَمَّدٍ ﷺ مَعَ الْاِعْتِقَادِ . (تفسير كبير، ج:۱، البقره)

ترجمہ: جن چیزوں کا دین محمدی سے ہونا بالضرورت (بدیہی طور پر) معلوم ہو ان سب کی تصدیق کرنے کا نام ایمان ہے۔

امام اہل سنت اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

علامہ حسن بن عمّار شُرُنبلالی شَرحِ وَھبانیہ میں پھر علامہ عَلائی شَرحِ تنویر میں فرماتے ہیں:
”جو مُتّفِقہ کفر ہو وہ اَعمالِ صالحہ اور نکاح کو باطل کر دیتا ہے اور اس کی اولاد اولادِ زنا ہوگی۔ اور جس میں خِلاف ہو تو اسے اِستغفار، توبہ اور تجدیدِ (ایمان و) نکاح کا حکم دیا جائے گا۔“ (فتاوی رضویہ، ج۱۵، ص۴۴۶)

ان حوالجات سے معلوم ہوا کہ ایمان کی حفاظت بہت بہت ضروری ہے اور ایمان کو بچانا کفر سے بچنا ہے اور کافر کو کافر ماننا بھی ضروریات دین سے ہے اور اس کا درست اندازہ اصول کی معلومات ہی سے ہو سکتا ہے اس لیے بھی اس کتاب کا مطالعہ ضروری ہے اللہ تعالیٰ مصنف کی کاوشوں کو قبول فرمائے اور اس کو ان کے لیے اور ہم سب کے لیے صدقۂ جاریہ بنائے۔ آمین بجاہ النبی الکریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم۔

☆☆☆☆☆

تقدیم

از قلم: مفتی محمد کلیم مصباحی

المتخصص في الفقه بالجامعة الأشرفية مباركفور اعظم جره الهند

الحمد لوليه والصلاة والسلام على نبيه وعلى آله وصحبه أجمعين

کسی مسلمان کی تکفیر ایک امر عظیم ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے کسی بھی کلمہ گو کی تکفیر سے منع فرمایا ہے جب تک وجہ کفر آفتاب سے زیادہ روشن نہ ہو جائے اور حکم اسلام کے لیے کوئی ضعیف سا ضعیف محمل بھی باقی نہ رہے۔ (فتاوی رضویہ، ۱۸/۳۲۰، امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی شریف) اس لیے کسی کلمہ گو کو کافر قرار دینے سے پہلے کچھ اہم اصول و قواعد کو مد نظر رکھنا ضروری ہے۔ اس کتاب میں استاذ گرامی حضرت علامہ مولانا محمد ناظم علی مصباحی صاحب نے قائل کی تکفیر و تضلیل اور تفسیق و تقصیر کب کی جاتی ہے اور کن اعتقادات و اقوال اور افعال و احوال اور امارات و علامات پر کی جاتی ہے، اس کے اصول و قواعد اعلیٰ حضرت کی تحقیقات اور کتب معتبرہ کی روشنی میں قلم زد کیا ہے۔ کیوں کہ یہ کتاب ابھی تک شائع نہیں ہوئی ہے تو اس کی اہمیت و افادیت اور عوام و خواص میں اس کی ضرورت کے پیش نظر اپنی دستار تحقیق و افتا کے عظیم الشان موقع پر ہم نے اسے منصہ شہود پر لانے کا ارادہ کیا، بڑی جانفشانیوں اور بہت کوششوں کے بعد زیور طباعت سے آراستہ ہو کر یہ کتاب آپ کی نگاہوں کے سامنے ہے۔

اب ذیل میں ہم کتاب ہذا اور خاص کر تحقیقات و تشریحات اعلی حضرت کی روشنی میں التزام کفر اور لزوم کفر کے مابین فرق کو اختصار کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ مکمل تفصیلات، مثالیں اور حوالہ جات عین کتاب میں موجود ہیں۔

التزام کفر اور لزوم کفر میں فرق

جو شخص رسول اللہ ﷺ کو ہر بات میں سچا جانے، حضور کی حقانیت کو صدقِ دل سے مانے اور اس کا مقر ہو اسے مسلمان اور اہل قبلہ میں سے جاننا ضروری ہے۔ یہ اس وقت تک ہے جب کہ اس کے کسی قول یا فعل یا حال میں اللہ و رسول کا انکار یا تکذیب یا توہین نہ پائی جائے۔ (ملخصا، فتاوی رضویہ، ۲۹/۲۵۴)

کسی شخص کے قول یا فعل یا حال میں اللہ و رسول کا انکار یا تکذیب یا توہین کی وجہ سے کب تکفیر کی جائے گی۔ اس میں دو مذہب ہیں: ایک محققین فقہا اور متکلّمین کا مذہب اور دوسرا جمہور فقہا کا مذہب، اول کو التزام کفر یا کفر کلامی کہا جاتا ہے اور دوم کو لزوم کفر یا کفر فقہی۔ (ملخصا، فتاوی رضویہ، ۲۰/ ۱۷۳، امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی شریف) راجح اور احوط مذہب متکلّمین ہے کہ جب تک التزام کی صورت نہ ہو قائل کو کافر کہنے سے سکوت کیا جائے گا۔ (فتاوی رضویہ مترجم، ۱/ ۱۸۰ و ۱۸۱، رضا اکیڈمی، ممبئ)

فرق اول: ضروریات دین اور قطعیات:

محققین فقہا اور متکلّمین کا مذہب احوط: محققین فقہا اور متکلّمین صرف اور صرف ضروریات دین کے انکار اور ان میں ادنی شک و شبہہ کرنے اور ان میں باطل تاویلات کرنے والے کی تکفیر کرتے ہیں۔ جو مسئلہ ضروریات دین سے نہیں تو محققین فقہا اور متکلّمین اس کے انکار پر تکفیر نہیں فرماتے۔ جیسے کہ اگر کوئی شخص قرآن عظیم یا اس کے کسی حرف کا انکار کرے یا اُس میں سے کچھ بدلے یا موجودہ قرآن میں کچھ زیادہ بتائے وہ قطعًا اجماعًا کافر ہے کیوں کہ قرآن کریم کو کامل ماننا یعنی یہ محکم اعتقاد رکھنا کہ اس میں کوئی کمی بیشی نہیں ہوئی ہے اور وہ اسی طرح محفوظ ہے جس طرح نازل ہوا تھا ضروریات دین سے ہے۔ (ملخصا، فتاوی رضویہ مترجم، ۱۴/ ۳۳۸، برکات رضا، پوربندر، گجرات)

جمہور فقہائے حنفیہ کا مذہب: جمہور فقہائے حنفیہ ضروریات دین کے انکار اور ان میں ادنیٰ شک وشبہہ کرنے اور ان میں باطل تاویلات کرنے والے کی تکفیر کرتے ہیں جیسا کہ متکلّمین کا مذہب ہے۔ ساتھ ہی ساتھ اگر مسئلہ ضروریات دین سے تو نہیں مگر قطعی طور پر ثابت ہو اور درجہ یقین کو پہنچا ہوا ہو تو فقہا اس کے انکار پر بھی تکفیر فرماتے ہیں۔ جیسے کسی شخص کا حضرات شیخین صدیق اکبر و فاروق اعظم کو امام و خلیفہ برحق نہ ماننا کتب معتمدہ فقہ حنفی کی تصریحات اور عامہ ائمہ ترجیح و فتویٰ کی تصحیحات پر مطلقاً کافر ہے۔ یہ حکم فقہی ہے۔ (ملخصا، فتاوی رضویہ مترجم، ۱۴/ ۲۵۱، برکات رضا، پوربندر، گجرات)

ضروریات دین کے انکار پر تکفیر کرنا یہ اجماعی مسئلہ ہے یعنی اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔ فقہا اور متکلّمین دونوں حضرات ایسے قائل کی تکفیر جزمی فرماتے ہیں۔ جو ایسے شخص کے کفری عقائد وافعال پر مطلع ہو کر اس کے کافر ہونے میں شک کرے وہ بھی کافر ہو جاتا ہے۔ اور جب مسئلہ ضروریات دین سے نہیں مگر قطعی طور پر ثابت ہو اور درجہ یقین کو پہنچا ہوا ہو تو صرف جمہور فقہا اس کے انکار پر تکفیر فرماتے ہیں متکلّمین تکفیر سے کف لسان اور سکوت کرتے ہیں اور بدمذہبی وگمراہی کا حکم دیتے ہیں۔

انکار یا تکذیب و توہین پر دلالت کرنے والے بعض افعال واحوال اور خاص امارات وعلامات پر بالاتفاق تکفیر: انکار یا تکذیب و توہین جس طرح اقوال سے ہوتی ہے افعال واحوال اور خاص امارات وعلامات سے بھی ہوتی ہے، کیوں کہ یہ انکار باطن اور تکذیب قلب پر دلالت کرتے ہیں۔ اس وجہ سے شارع نے بعض افعال کو انکار باطن اور تکذیب قلب پر دلالت کرنے کی نشانی قرار دی ہے یعنی تصدیق قلبی نہ ہونے کی دلالت ہے۔ جیسے بت کو سجدہ کرنا، قرآن کریم کو گندی جگہ ڈال دینا، امر شرعی کا مذاق اڑانا، ایسا کرنے والے کی بالاتفاق تکفیر کی جائے گی کیوں کہ ان چیزوں کے کفر ہونے پر اجماع منعقد ہو چکا ہے اور یہ ایسے افعال ہیں جو انکار باطن اور تکذیب قلب پر دلالت کرتے ہیں۔ (ملخصا، فتاوی رضویہ

مترجم، ۵/۱۰۲، رضا اکیڈمی، ممبئی)

حکم: بالاجماع کافر متکلّمین و فقہا دونوں کے نزدیک کافر	حکم: صرف جمہور فقہا کے نزدیک کافر متکلّمین کے نزدیک نہیں
ضروریات دین سے ہو یا ایسا فعل جو تصدیق قلبی نہ ہونے کی دلالت کرتا ہے	ضروریات دین سے نہ ہو لیکن قطعی طور پر ثابت ہو

فرق دوم: صریح متعیّن اور متبیّن:

محققین فقہا اور متکلّمین کا مذہب احوط: محققین فقہا اور متکلّمین کے نزدیک صریح سے مراد صریح متعیّن ہے کہ قائل کا کلام کفری معنی میں ایسا متعیّن ہو کہ اس میں تاویل قریب و بعید کی قطعًا کوئی گنجائش نہ ہو تو اس کی تکفیر جزمی کی جائے گی۔ کلام کا کفری معنی میں صرف ظاہر ہونا کافی نہیں بلکہ کفری معنی میں متعیّن ہونا ضروری ہے۔ عبارات متکلّمین و بحث کلامی میں صریح بمعنی متعیّن ہوتا ہے۔

جمہور فقہائے حنفیہ کا مذہب: جمہور فقہا کے نزدیک صریح سے مراد ظاہر و متبیَّن کہ قائل کے کلام سے کفر کا معنی ظاہر ہو اور تاویل قریب کی کوئی گنجائش نہ ہو تو اس کی تکفیر کی جائے گی اگرچہ تاویل بعید سے صحیح معنی بن سکتا ہو۔ فقہا کی عبارت اور بحث فقہی میں صریح بمعنی متبیَّن (ظاہر) ہوتا ہے نہ کہ بمعنی متعیّن۔ (ملخصا، الموت الاحمر، ص: ۴۹ تا ۵۱، ناشر: محمدی بک ڈپو)

فرق سوم: تاویل قریب اور بعید:

محققین فقہا اور متکلّمین کا مذہب احوط: متکلّمین کے نزدیک وہی تاویل مقبول ہے جو دلیل سے ناشی ہو جسے تاویل صحیح و قریب کہتے ہیں اسی طرح تاویل جو شبہہ سے ناشی ہو جسے تاویل فاسد و بعید کہتے۔ شبہہ کی وجہ سے متکلّمین اسے بھی مانع تکفیر قرار دیتے ہیں۔

جمہور فقہائے حنفیہ کا مذہب: جمہور فقہائے کرام کے نزدیک تاویل فاسد و بعید یعنی شبہہ سے حاصل شدہ تاویل (دلیل سمجھ کر) مقبول نہیں۔ہاں تاویل صحیح و قریب یعنی جو دلیل سے ناشی ہوتی ہے (دلیل کے سبب) ان کے نزدیک بھی مقبول ہے۔

تاویل باطل و متعذر یعنی نہ کسی دلیل کے سبب ہو اور نہ شبہہ دلیل کے سبب ہو تو یہ فقہا و متکلّمین کسی کے یہاں مقبول نہیں وہ در حقیقت تاویل نہیں بلکہ تغییر و تبدیل ہے۔

(ملخصا، الموت الاحمر، ص:۴۹ تا ۵۱، ناشر: محمدی بک ڈپو)

نقشہ:

تاویل	متکلّمین و فقہائے محققین	جمہور فقہا
تاویل صحیح و قریب یعنی جو دلیل سے ناشی ہوتی ہے (دلیل کے سبب)	متکلّمین و فقہائے محققین کے نزدیک مقبول ہے	جمہور فقہا کے نزدیک بھی مقبول ہے
تاویل فاسد و بعید یعنی شبہہ سے حاصل شدہ تاویل (دلیل سمجھ کر)	متکلّمین و فقہائے محققین کے نزدیک مقبول اور بوجہِ شبہہ مانعِ تکفیر ہے	جمہور فقہا کے نزدیک مقبول نہیں
تاویل باطل و متعذر یعنی نہ کسی دلیل کے سبب ہو اور نہ شبہہ دلیل کے سبب (در حقیقت تاویل نہیں بلکہ تغییر و تبدیل ہے)	متکلّمین و فقہائے محققین کے نزدیک مقبول نہیں	جمہور کے نزدیک بھی مقبول نہیں

کسی معین شخص کے کلام کی وجہ سے اس کی تکفیر کرنے سے پہلے کیا دیکھنا چاہیے؟

☆ **کیا اس کے کلام سے ظاہراً کسی ضروریات دین کا انکار لازم آرہا ہے یا نہیں؟**

☆ **اگر کسی ضروریات دین کا انکار لازم آ رہا ہے تو کیا تکلم (۱) یا متکلم (۲) میں احتمال ہے یا نہیں؟**

اگر تکلم یا متکلّم میں احتمال ہے تو بالاتفاق تکفیر نہیں کی جائے گی۔

☆ **اگر تکلم یا متکلّم میں احتمال نہیں تو پھر دیکھا جائے کہ کیا اس کے کلام میں کوئی تاویل قریب (صحیح) (۳) یا بعید (تاویل فاسد) (۴) یا متعذر (تاویل باطل) (۵) ہیں یا نہیں؟**

اگر تاویل قریب ہے تو باتفاق فقہا و متکلّمین تکفیر نہیں کی جائے گی۔

اگر تاویل بعید ہے تو جمہور فقہا تکفیر کریں گے لیکن متکلّمین تکفیر نہیں کریں گے۔

اگر صرف تاویل متعذر ہے تو باتفاق فقہا و متکلّمین تکفیر کی جائے گی کیونکہ یہ تاویل بالاتفاق نا مقبول ہے اس لیے کہ وہ در حقیقت تاویل نہیں بلکہ تغیر و تبدیل ہے۔ یہ فقہا و متکلّمین کسی کے یہاں مقبول نہیں۔ فقہا اور متکلّمین دونوں حضرات ایسے قائل کی تکفیر جزمی فرمائیں گے۔ اور جو ایسے شخص کے کفری عقائد و افعال پر مطلع ہو کر اس کے کافر ہونے میں شک کرے وہ بھی کافر ہو جاتا ہے۔

☆ **اگر کسی ضروریات دین کا انکار لازم نہیں آ رہا ہے لیکن اس کے کلام میں کسی قطعی امر کا ظاہری انکار ہے تو کیا تاویل قریب کی کوئی گنجائش ہے؟**

---

(۱) تکلم میں احتمال یہ کہ جس کی طرف وہ کلام منسوب ہو اس سے اس کے ثبوت میں تامل ہو تو کلام اگر چہ یقیناً جزماً کفر ہو اس شخص کو کافر نہ کہیں گے کہ اس کا تکلم ثابت نہیں۔ (الموت الاحمر، ص:۵۲، ۵۳)

(۲) متکلم میں احتمال یہ کہ اس کلام سے اس کی توبہ و رجوع مسموع ہو یہ اگر بہ ثبوت قطعی ثابت ہو جب تو ظاہر کہ اس کی تکفیر حرام۔ اور ایسا ثبوت ہو کہ مُتردّد کر دے جب بھی قائل کے بارے میں کف لسان درکار۔ (الموت الاحمر، ص:۵۲، ۵۳)

(۳) اگر دلیل کے ساتھ تاویل کی جارہی ہے تو تاویل صحیح و قریب ہے۔

(۴) اگر تاویل کی بنیاد کسی شبہہ پر قائم ہو تو تاویل فاسد و بعید ہے

(۵) اور جہاں تاویل نہ کسی دلیل کے سبب ہو اور نہ شبہہ دلیل کے سبب ہو تو وہ تاویل باطل و متعذر ہے۔

اگر تاویل قریب کی کوئی گنجائش ہے تو فقہا بھی اس کی تکفیر نہیں کریں گے اور چوں کہ ضروریات دین سے نہیں تو ظاہر ہے کہ متکلّمین اصلاً تکفیر نہیں کریں گے۔

☆ اگر تاویل قریب کی کوئی گنجائش نہیں ہے تو کیا تاویل بعید کی گنجائش ہے؟

اگر صرف تاویل بعید کی گنجائش ہے تو فقہا کے نزدیک اس کی تکفیر کی جائے گی، اگر چہ تاویل بعید سے صحیح معنی بن سکتا ہو، کیوں کہ ان کے نزدیک تاویل بعید معتبر نہیں تو جمہور فقہا کے نزدیک یہ قول کفر اور اس کا قائل کافر ہے۔

ہاں متکلّمین کے محتاط مذہب پر تکفیر سے کف لسان اور سکوت کیا جائے گا اور بدمذہبی وگمراہی کا حکم دیا جائے گا کیوں کہ ان کے نزدیک صرف ضروریات دین کے انکار کرنے والے کی تکفیر کی جاتی ہے اور یہی حق ہے اور اسی پر عمل درکار۔

جب صرف فقہا کے مذب پر تکفیر لازم آتی ہے تو فتوی دیتے وقت کلام کو کفریہ کہا جائے گا لیکن متکلّمین کے محتاط مذہب پر عمل کرتے ہوئے قائل کو کافر نہیں کہا جائے گا۔ پھر بھی لزوم کفر کی وجہ سے احتیاطاً اسے استغفار، توبہ اور تجدید ایمان و نکاح کا حکم دیا جائے گا۔

اقوال کا کلمۂ کفر ہونا اور بات ہے اور قائل کو کافر مان لینا اور بات۔ کیوں کہ قول کا کلمۂ کفر ہونا مطلقاً مذہب کلامی میں کفر قائل نہیں کہ قول کا کلمۂ کفر ہونے کے لیے تبیُّن (ظہور) کافی اور کفر قائل کے لیے تعُّین درکار۔ (ملخصا، الموت الاحمر، ص:۴۹ تا ۵۱، ناشر: محمدی بک ڈپو)

اس وجہ سے جب صرف فقہا کے مذب پر تکفیر لازم آئے تو متکلّمین کے محتاط مذہب پر عمل کرتے ہوئے فتوی اس طرح ہو گا:

”اس کا کلام کفریہ ہے اور قائل کو استغفار، توبہ اور تجدید ایمان و نکاح کا حکم ہے۔“

اور جب متکلّمین کے مذہب پر تکفیر لازم آئے تو فتوی اس طرح ہو گا:

”قائل بالاجماع کافر ہے۔ اس کے اعمال صالحہ ضائع و برباد ہیں اور اس کا نکاح باطل ہے۔ جو اس شخص کے کفری عقائد و افعال پر مطلع ہو کر اس کے کافر ہونے میں شک کرے وہ بھی

کافر ہے۔ قائل کو استغفار، توبہ اور تجدید ایمان و نکاح کا حکم ہے۔" (ماخوذ من فتاوی رضویہ مترجم،۵۱/۴۴۶، رضا اکیڈمی، ممبئی، ۳۲۰/۱۸، امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی شریف)

نقشہ:

حکم: متکلّمین و فقہا دونوں کے نزدیک کافر (بالاجماع کافر) التزام کفر	حکم: صرف جمہور فقہا کے نزدیک کافر لزوم کفر
ضروریات دین سے ہو یا ایسا فعل جو تصدیق قلبی نہ ہونے کی دلالت کرتا ہے	ضروریات دین سے نہ ہو لیکن قطعی طور پر ثابت ہو
تکلم اور متکلّم میں شبہ نہ ہو	تکلم اور متکلّم میں شبہ نہ ہو
صریح متعیّن ہو: کلام میں کوئی تاویل قریب (صحیح) یا بعید (فاسد) کی قطعًا کوئی گنجائش نہ ہو	صریح متبیّن ہو: کلام میں کوئی تاویل قریب (صحیح) کی گنجائش نہ ہو اگرچہ تاویل بعید (فاسد) کی گنجائش ہو
التزام کفر سب کے نزدیک کافر، جو ایسے شخص کے کفری عقائد و افعال پر مطلع ہو کر اس کے کافر ہونے میں شک کرے وہ بھی کافر ہو جاتا ہے، اعمال صالحہ اور نکاح کو باطل کر دیتا ہے	لزوم کفر صرف جمہور فقہا کے نزدیک کافر، متکلّمین تکفیر سے کف لسان اور سکوت کرتے ہیں اور بدمذہبی و گمراہی کا حکم دیتے ہیں۔ پھر بھی لزوم کفر کی وجہ سے احتیاطًا اسے استغفار، توبہ اور تجدید ایمان و نکاح کا حکم دیا جائے گا

واللہ تعالیٰ اعلم

☆☆☆☆☆

اصول تکفیر و تضلیل: ایک مختصر تعارف

از قلم: مولانا طفیل احمد مصباحی
استاذ دار العلوم فیضان اشرف رئیس العلوم، کھمبات شریف، ضلع آنند، گجرات

تکفیر علمِ کلام کی ایک معرکۃ الآرا بحث ہے۔ مسئلۂ تکفیر نہایت دشوار، امرِ پُر خطر اور حد درجہ حزم و احتیاط کا متقاضی ہے۔ تکفیر کا تعلق امورِ سمعیہ شرعیہ سے ہے اور اس میں عقل و وجدان، ہوائے نفس، نفرت و عداوت یا مذہبی تعصب کو قطعی دخل نہیں ہے اور یہ صرف اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حق ہے۔ بخاری شریف کی حدیث ہے کہ حضور نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إِذَا قَالَ الرَّجُلُ لِأَخِيهِ يَا كَافِرُ فَقَدْ بَاءَ بِهِ أَحَدَهُمَا.

[یعنی جب ایک مسلمان اپنے دوسرے مسلمان بھائی سے کہے، اے کافر! تو یہ قول ان میں سے ایک کی طرف لوٹتا ہے اور دونوں میں سے ایک کافر ہو جاتا ہے]

(صحیح البخاری، کتاب الأدب، باب من أکفر أخاہ بغیر تأویل فھو کما قال، رقم: ۵۷۵۲، مطبوعہ: دار ابن کثیر، بیروت)

یہی روایت ترمذی شریف میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ان الفاظ میں منقول ہے:

أَيُّمَا رَجُلٍ قَالَ لِأَخِيهِ يَا كَافِرُ فَقَدْ بَاءَ بِهَا أَحَدُهُمَا.

[یعنی جو شخص اپنے مسلمان بھائی کو کہے: اے کافر! تو یہ کلمۂ کفران دونوں میں سے کسی ایک کی طرف ضرور لوٹے گا۔]

علامہ عینی حنفی قدس سرہ مذکورہ حدیثِ بخاری کی توضیح و تشریح کرتے ہوئے عمدۃ القاری شرح البخاری میں لکھتے ہیں:

لِأَنَّهُ إِنْ كَانَ صَادِقًا فِي نَفْسِ الْأَمْرِ فَالْمَقُوْلُ لَهُ كَافِرٌ وَإِنْ كَانَ كَاذِبًا فَالْقَائِلُ كَافِرٌ، لِأَنَّهُ حَكَمَ بِكَوْنِ الْمُؤْمِنُ كَافِرًا أَوِ الْإِيمَانِ كُفْرًا .

اس لیے کہ کافر کہنے والا حقیقت میں سچا ہے تو اس کی بات درست ہے کہ دوسرا شخص (جس کی تکفیر کی گئی ہے) کافر ہے اور اگر جھوٹا ہے تو کہنے والا کافر ہو گیا کہ اس نے مومن پر کفر کا حکم لگایا ہے یا اس نے ایمان کو کفر کہا۔

(عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری، جلد: ۲۲، ص: ۱۵۷، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت)

تکفیر کی انھیں دشواریوں اور احتیاطی تقاضوں کے پیشِ نظر حجۃ الاسلام حضرت امام غزالی علیہ الرحمہ نے ''التفرقة بين الاسلام و الزندقة'' میں لکھا ہے کہ:

''میری وصیت یہ ہے کہ اہلِ قبلہ جب تک ''لا إلهٰ إلا محمد رسول الله'' کے قائل رہیں اور اس کلمۂ طیبہ کی تردید نہ کریں، ان کی تکفیر سے حتی الامکان اپنی زبان کو روکو۔ کلمۂ توحید کی تردید کے معنیٰ یہ ہیں کہ وہ کسی عذر یا بلا عذر کے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جھوٹ کو جائز قرار دیں۔ کیوں کہ تکفیر ایک وادیِ پُر خطر ہے، جب کہ سکوت میں کوئی خطرہ نہیں ہے۔ تکفیر کا قانون یہ ہے کہ تم پہلے اس بات کو جان لو کہ افکار و نظریات دو قسم کے ہوتے ہیں: ایک قسم وہ ہے جس کا تعلق اصولِ عقائد سے ہے اور دوسری قسم وہ ہے جس کا تعلق فروعیات ہے۔''

اصولِ ایمان و عقائد فقط تین ہیں: (۱) اللہ عزوجل پر ایمان (۲) اللہ کے رسول ﷺ پر ایمان (۳) یومِ قیامت پر ایمان۔ ان کے ماسوا سب فروعیات کے قبیل سے ہیں اور اس بات کو اچھی طرح ذہن نشیں کر لو کہ فروعیات میں سوائے ایک مسئلہ کے تکفیر جائز

نہیں ہے اور وہ یہ کہ کوئی شخص کسی ایک بات کا انکار کرے جس کا ثبوت نبی کریم ﷺ سے بطورِ تواتر ثابت ہو۔ البتہ بعض فروعی مسائل میں منکر کو "خاطی" قرار دیا جائے گا، جیسے فقہیات میں اور بعض میں اسے "بدعتی" قرار دیا جائے گا۔ مثلاً: ایسی خطا جس کا تعلق امامت اور احوالِ صحابہ سے ہو۔ (التفرقہ کا اردو ترجمہ بنام حق و باطل کا فیصلہ، ص:۴۶، ۴۷، ناشر: تاج الفحول اکیڈمی، بدایوں)

مسئلۂ تکفیر کی دشواری و سنگینی کے باوجود بعض اوقات اہلِ علم کے لیے تکفیر ناگزیر ہو جاتی ہے اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب کہ کسی شخص کی زبان یا قلم سے دانستہ یا غیر دانستہ طور پر کلمۂ کفر سرزد ہو جائے یا کوئی بندہ ضروریاتِ دین یا اصولِ عقائد میں سے کسی ایک کا کھلم کھلا انکار کر بیٹھے تو اس وقت قائل کی تکفیر ضروری ہو جاتی ہے۔ کیوں کہ مسلمان کو مسلمان اور کافر کو کافر جاننا بھی ضروریاتِ دین میں سے ہے۔ اس لیے فقہاے کرام فرماتے ہیں کہ جس شخص نے قطعًا کفر کیا، اس کی بہر حال تکفیر کی جائے گی۔ کیوں کہ قطعی کافر کے کفر میں شک بھی آدمی کو کافر بنا دیتا ہے۔ "من شك فى كفره و عذابه فقد كفر" اسی ضابطے کے تحت ہے۔ حضرت امام قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ "شفا شریف" میں یہود و نصاریٰ اور دینِ اسلام سے جدا ہونے والے گروہ کی تکفیر نہ کرنے یا ان کے کفر میں توقف یا شک کرنے والوں کے کفر پر اجماع نقل فرمایا ہے، جس سے اس امر کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ تکفیر و تضلیل بھی بعض اوقات امرِ ضروری ہو جایا کرتی ہے اور علمائے اسلام کو کفر کا فتویٰ دینا لازمی ہو جاتا ہے۔

الإجماع علىٰ كفر من لم يكفر أحدا من النصارىٰ و اليهود و كل من فارق دين المسلمين أو وقف فى تكفيرهم أو شك . قال القاضى أبو بكر: لأن التوقيف والإجماع اتفاقا علىٰ كفرهم فمن وقف فى ذلك فقد كذب النص و التوقيف أو شك فيه و التكذيب و الشك فيه لا يقع إلا من كافر. (بہار شریعت تخریج شدہ، جلد اول، ص:۱۸۵، مطبوعہ: مجلس المدینۃ العلمیۃ، ممبئی)

تکفیر ایک امرِ پُر خطر سہی، لیکن ضروریاتِ دین و ضروریاتِ مذہبِ اہلِ سنت کے منکر کی تکفیر و تضلیل ضروری بھی ہے، تاکہ امتِ مسلمہ اس کے شرور و مکائد سے محفوظ رہ سکے۔ فقہائے متقدمین و علمائے اسلام تکفیر کے معاملے میں غایت درجہ حزم و احتیاط سے کام لیتے تھے، لیکن آج تکفیر و تضلیل کے معاملے میں بڑی بے احتیاطی، بے اعتدالی اور عجلت پائی جاتی ہے اور معمولی باتوں پر تکفیر و تضلیل کا بازار گرم ہو جاتا ہے۔ الأمان و الحفیظ! یہ ایک بدیہی مسئلہ ہے کہ ہر چیز کے کچھ اصول و قوانین ہوتے ہیں۔ علمِ تفسیر کو جاننے کے لیے "اصولِ تفسیر" کا جاننا ضروری ہے۔ علمِ فقہ کو جاننے کے لیے "اصولِ فقہ" کا مطالعہ ناگزیر ہے۔ اسی طرح علمِ حدیث کو جاننے کے لیے "اصولِ حدیث" سے واقفیت ضروی ہے۔ کچھ یہی معاملہ تکفیر و تضلیل کا بھی ہے۔ تکفیر کے اصول و مبادی سے آگاہی حاصل کیے بغیر اپنے محدود علم کی روشنی میں کسی کے خلاف کفر و ضلالت کا فتویٰ دینا، حد درجہ حماقت و نادانی ہے۔

تعارفِ کتاب

زیرِ مطالعہ کتاب "اصولِ تکفیر و تضلیل" تکفیر کے اصول و مبادی پر ایک زبردست علمی و تحقیقی کتاب ہے۔ ایک سو اڑتیس (۱۴۸) صفحات پر مشتمل اس کتاب کی ساری بحثیں خالص علمی نوعیت کی ہیں۔ حضرت مصنف دام ظلہ العالی نے ایمان و کفر کی حقیقت و ماہیت بیان کرنے اور اقسامِ کفر پر سیر حاصل گفتگو کرنے کے بعد تکفیر و تضلیل کے اصول و مبادی اور ان کے قوانین و شرائط حوالوں کے ساتھ بیان کیے ہیں۔ اس کے بعد کن اقوال و اعتقادات، افعال و احوال اور امارات و علامات پر تکفیر یا تضلیل و تفسیق کی جاتی ہے؟ ان تمام امور پر محققانہ اسلوب میں روشنی ڈالی ہے، جن کے مطالعے سے مصنف دام ظلہ کی فقہی مہارت، علمی تبحر اور ان کی تحقیقی بصیرت کا اندازہ ہوتا ہے۔ "ضروریاتِ دین"، "ضروریاتِ مذہبِ اہلِ

سنت"، "ثابتاتِ محکمہ" اور "ظنیاتِ محتملہ" کی توضیح و تشریح کے بعد مجددِ اسلام، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان محدث بریلوی علیہ الرحمہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ ضروریاتِ دین کا منکر یا ان میں باطل تاویلات کا مرتکب کافر ہے۔ ضروریاتِ مذہبِ اہلِ سنت و جماعت کا منکر کافر نہیں، بلکہ گمراہ، بد مذہب اور بد دین ہے۔ "ثابتاتِ محکمہ" جن کے ثبوت کے لیے دلیلِ ظنی کافی ہوتی ہے اور حدیثِ آحاد، حدیثِ صحیح، حدیثِ حسن اور قولِ سوادِ اعظم و جمہور علما سے بھی ان کا ثبوت ہو جاتا ہے، ان کا منکر نہ کافر ہوتا ہے نہ ضال و مضل، بلکہ خاطی و آثم و خطا کار و گنہگار ہوتا ہے۔ ظنّیاتِ محتملہ، ان کے ثبوت کے لیے ایسی دلیلِ ظنی بھی کافی و وافی ہوتی ہے، جس نے جانبِ خلاف کے لیے بھی گنجائش رکھی ہو۔ ان کے منکر کو صرف مخطی و قصوروار کہا جائے گا۔ ان کے منکر کو گنہگار کہنا بھی جائز نہیں، چہ جائے کہ ان کو گمراہ یا کافر کہا جائے۔

پوری کتاب اپنے موضوع کے اعتبار سے منفرد، بلند پایہ، نہایت وقیع، معلومات افزا اور اصولِ تکفیر و تضلیل کے حوالے سے گراں قدر اور انمول خزانہ ہے۔ اردو میں اس عنوان پر خالص علمی و تحقیقی کتابوں کی کمی ہے۔ حضرت مصنف دام ظلہ العالی نے یہ بلند پایہ کتاب لکھ کر ایک بہت بڑی علمی ضرورت کی تکمیل فرمائی ہے اور صرف عوام ہی نہیں بلکہ خواص کو بھی درجنوں فقہی کتب و رسائل کی اوراق گردانی سے بچا لیا ہے۔ اس مختصر تحریر میں پوری کتاب کا تعارف و تجزیہ ممکن نہیں، اس لیے اس کے چند اہم مباحث اور معلومات افزا مندرجات کے ذکر پر ہی اکتفا کیا جاتا ہے:

(۱) ایمان و کفر کی حقیقت (۲) اجماعِ امت کی مخالفت سے بچنا شرطِ ایمان ہے (۳) انکار یا تکذیب و توہین اقوال کے علاوہ افعال و احوال و مخصوص امارات و علامات سے بھی ہوتی ہے (۴) کفر کی دو قسمیں ہیں: قولی اور فعلی (۵) اجماع سے ثابت شدہ امور نصِ شارع کی مانند ہیں (۶) کفر کے لیے بطورِ تواتر ثبوت ضروری ہے (۷) غیر متواتر کا انکار کفر نہیں (۸) ضروریاتِ دین و ضروریاتِ مذہبِ اہلِ سنت و جماعت (۹) مسائل تین قسم کے ہوتے ہیں

(۱۰)ضروریاتِ عقائدِ اہل سنت کا منکر بدمذہب و گمراہ ہے (۱۱) ادلۂ سمعیہ کی اقسامِ اربعہ (۱۲) ضروریاتِ دین کا ثبوت کن دلیلوں سے ہوتا ہے؟ (۱۳) جمہور فقہاے حنفیہ کے نزدیک قطعی الثبوت غیر ضرورتِ دینی کا منکر کافر ہے (۱۴) ضروریاتِ مذہبِ اہل سنت و جماعت کا منکر کافر نہیں (۱۵) اجماعِ قطعی و یقینی کا انکار کفر ہے (۱۶) تکفیر و تضلیل کا مقام و محل یکساں نہیں (۱۷) ضروریاتِ دین کسے کہتے ہیں؟ (۱۸) ضروریاتِ دینِ اسلام میں تاویل مسموع نہیں (۱۹) باطل تاویلات کی توضیح (۲۰) امت کا اس امر پر اجماع ہے کہ جس شخص میں ننانوے ہزار باتیں اسلام کی اور ایک کفر کی ہو تو وہ یقیناً قطعاً کافر ہے (۲۱) جس کلام میں اسلام اور کفر دونوں قسم کے معانی کا احتمال ہو ایسے کلام کے سبب قائل کی تکفیر نہیں کی جائے گی (۲۲) کلامِ محتمل کی توضیح و تشریح (۲۳) کلماتِ کفر کی قسمیں (۲۴) کفرِ لزومی و کفرِ التزامی کی بحث (۲۵) راجح یہی ہے کہ التزامِ کفر کے بغیر تکفیر نہیں (۲۶) لزومِ کفر و التزامِ کفر کی توضیح (۲۷) کفرِ کلامی کی تعریف (۲۸) کلام و تکلم و متکلّم میں شبہہ کے معنیٰ (۲۹) تکلم و متکلّم میں احتمال (۳۰) تاویل کی تین قسمیں اور اقسامِ تاویل کی تعریف (۳۱) کسی کی تکفیر ایک امرِ عظیم ہے (۳۲) لفظِ صریح میں تاویل کا مقبول نہ ہونا متفق علیہ ہے (۳۳) یقین بالمعنیٰ الاعم کا مطلب (۳۴) علمِ قطعی دو معنوں میں مستعمل ہے (۳۵) احتمال و ایہام کا فرق وغیرہ۔

غرض کہ یہ کتاب ''اصولِ تکفیر و تضلیل'' اردو زبان میں اپنی نوعیت کی منفرد علمی و تحقیقی دستاویز ہے، جس کی سطر سطر سے مصنف کی علمی مہارت، تحقیقی شان اور دقتِ نظر ظاہر ہوتی ہے۔ تکفیر جیسے نہایت دشوار حکمِ شرعی کے لیے جو چیزیں ضروری ہیں، ان کے مالہ و ماعلیہ پر آپ نے دلائلِ ساطعہ کی روشنی میں بھرپور انداز سے گفتگو فرمائی ہے اور کسی بھی گوشہ کو تشنہ نہیں چھوڑا ہے اور آخر میں خلاصۂ کلام کے طور پر لکھا ہے کہ:

ان ساری بحثوں سے یہ روشن ہوا کہ محققین فقہا و متکلّمین کے مذہبِ احوط پر صرف ضروریاتِ دین ہی کے انکار پر منکر کی تکفیر کی جائے گی اور ضروریاتِ مذہبِ اہل سنت و

ضروریاتِ عقائدِ اہل سنت کے انکار پر تضلیل کی جائے گی (تکفیر نہیں)۔ محققین فقہا و متکلّمین کے نزدیک تکفیر کے لیے التزامِ کفر ضروری ہے اور التزامِ کفر کے بغیر محض لزومِ کفر پر تکفیر نہیں کی جائے گی، جب کہ جمہور فقہا محض لزومِ کفر پر تکفیر فرماتے ہیں۔ ضروریاتِ دین میں کوئی تاویل یا اس کے عموم میں کچھ قیل و قال اصلاً مسموع نہیں۔ البتہ تکذیب و توہین پر دلالت کرنے والے افعال و امارات (علامات) اور ضروریاتِ دین کے انکار پر بالاتفاق تکفیر کی جائے گی۔ ہاں! اگر کوئی مسئلہ اجماعی یا دلیلِ قطعی سے ثابت ہو تو جمہور فقہا کے نزدیک اس کے منکر کی تکفیر کی جائے گی، چاہے وہ ضروریاتِ دین سے ہو یا نہ ہو اور محققین فقہا و متکلّمین کے نزدیک منکر کی اس وقت تکفیر کی جائے گی جب کہ وہ ضروریاتِ دین سے ہو، ورنہ تضلیل کی جائے گی۔ تاویلِ صحیح (جو دلیل سے ناشی ہو) فقہا و متکلّمین دونوں کے نزدیک بالاتفاق مقبول ہے اور تاویلِ باطل (تاویلِ متعذر) دونوں حضرات کے بالاتفاق نا مقبول ہے۔ البتہ تاویلِ بعید (تاویلِ فاسد جو کسی دلیل کے شبہہ کی بنیاد پر ہو) متکلّمین محتاطین کے نزدیک مقبول ہے اور جمہور فقہا کے نزدیک مقبول نہیں۔ فقہا کے نزدیک صریح کا معنی متبیّن (ظاہر) اور متکلّمین کے نزدیک صریح کا معنی متعیّن ہونا مراد ہونا مراد ہے۔ قائل کا کلام معنیٔ کفر میں صاف و صریح، نا قابلِ تاویل و توجیہ ہو اور پھر بھی حکمِ کفر نہ ہو تو اسے کفر نہ کہنا، گویا کفر کو اسلام ماننا ہو گا اور جو کفر کو اسلام مانے وہ خود کافر ہے۔ لزومِ کفر پر تکفیر اور عدمِ تکفیر کی قائل ایک ہی جماعت نہیں، بلکہ جمہور فقہا و محققین کی دو الگ الگ جماعتیں ہیں۔ (اصولِ تکفیر و تضلیل، ص: ۱۴۷، ۱۴۸)

استاذ العلماء، عمدۃ المدرسین، محققِ عصر، ادیبِ لبیب حضرت علامہ مفتی **محمد ناظم علی مصباحی** حفظہ اللہ الباری (استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ، یوپی) جماعتِ اہلِ

سنت کے ایک جید عالمِ دین، بالغ نظر مفتی، قدر آور محقق، بلند پایہ مدرس، اعلیٰ علمی اسلوب کے مالک نثر نگار، کامیاب مترجم اور ایک درجن سے زائد کتابوں کے مصنف و مؤلف ہیں۔ اپنے فضل و کمال، علمی تبحر، تحقیقی ذوق اور تصنیفی مہارت کے سبب جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے قدر آور اساتذہ میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔ مضبوط قوتِ حافظہ، فکرِ صائب اور ذہنِ ثاقب کے مالک ہیں۔ دورانِ تدریس امہاتِ کتبِ درسیہ کی عربی عبارتیں زبانی پڑھتے چلے جاتے ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ زبانی قرآن کی تلاوت فرما رہے ہیں۔ مروجہ علومِ درسیہ میں مہارت رکھتے ہیں اور کسی بھی فن کی کتاب بلا تکلف، بے ضغطۂ زبان کے پڑھاتے ہیں۔ عربی، فارسی اور اردو زبان و ادب کے ایک بلند پایہ ادیب ہیں۔ راقم اپنے جن اساتذۂ کرام کی علمی صلاحیتوں اور تحریری لیاقتوں سے کافی متاثر ہے، آپ ان میں سے ایک ہیں۔ خالقِ لوح و قلم نے علم و فضل اور ذہانت و طباعی کے ساتھ آپ کو قرطاس و قلم کی دولت سے بھی مالا مال فرمایا ہے۔ سیّال قلم کے مالک ہیں۔ کسی بھی موضوع پر جب قلم اٹھاتے ہیں تو اس کا حق ادا کر دیتے ہیں۔ علمی مواد، تحقیقی شان، زورِ استدلال اور دل نشیں اسلوبِ بیان آپ کی نگارشات کے قابلِ قدر پہلو ہیں۔ وقت کی قدر دانی اور اس کا صحیح استعمال کوئی آپ سے سیکھے۔ راقم الحروف کو مارہرہ شریف کا ایک سفر آپ کے ساتھ کرنے کا اتفاق ہوا ہے۔ دورانِ سفر دیکھا کہ آپ حضرت علامہ فضلِ حق خیر آبادی علیہ الرحمہ کی بلند پایہ، شہرہ آفاق، نابغۂ روزگار فارسی تصنیف ''امتناع النظیر'' کا ترجمہ بڑی روانی کے ساتھ کر رہے ہیں۔ میں نے عرض کیا! حضرت کم از کم سفر میں تو آرام کر لیا کریں، اس پر آپ نے ارشاد فرمایا: مولانا! زندگی مختصر ہے اور کام بہت زیادہ ہے۔ اس سے آپ کی علمی زندگی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

درس و تدریس اور تصنیف و تالیف میں مہارت کے ساتھ ''فنِ ترجمہ نگاری'' سے بھی بخوبی واقف ہیں۔ آپ نے مشہور مصری عالم ڈاکٹر سید محمود سید صبیح کی مشہور عربی کتاب ''أخطاء ابن تیمیہ'' کا بڑے سلیس اور رواں دواں اسلوب میں ترجمہ فرمایا ہے، جو کافی ضخیم ہے

اور پانچ سو سے زائد صفحات پر مشتمل ہے۔ اسی طرح ''امتناع النظیر فارسی'' کا اردو ترجمہ آپ کے کامیاب مترجم ہونے پر دال ہے۔ ان کے علاوہ ''شرح فتوح الغیب''، ''حقائق ہندی''، ''صحائف السادات''، ''اسلام کا نظریہ تعدد ازدواج''، ''اسلام اور تعلیم نسواں'' اور ''اجتہاد اور تقلید کا تحقیقی جائزہ'' بھی صاحب کتاب کی اہم تصنیفات میں سے ہیں۔

اردو کے ساتھ عربی نثر نگاری میں بھی کمال حاصل ہے۔ فقہ کی مشہور کتاب ''نورالایضاح'' کا عربی حاشیہ بنام ''ضوء المصباح'' عربی نثر نگاری میں آپ کے کمال کو ظاہر کرتا ہے۔ ''قدوری شریف'' اور ''جلالین شریف'' کے آغاز میں ایک وقیع اور تحقیقی مقدمہ شامل ہے۔ مرشدِ گرامی، تاج الشریعہ حضرت علامہ مفتی اختر رضا خان قادری ازہری بریلوی علیہ الرحمہ کی عربی تصنیف ''الفردۃ شرح قصیدۃ البردۃ'' پر بزبانِ عربی آپ کے قیمتی تاثرات موجود ہیں۔ محب گرامی حضرت مولانا مفتی محمد ابرار احمد قادری مصباحی نے راقم الحروف کو بتایا ہے کہ میں نے ایک مرتبہ حضور تاج الشریعہ علیہ الرحمہ سے پوچھا تھا کہ ''حضور، مولانا محمد ناظم علی مصباحی کی عربی کیسی ہے؟'' اس پر آپ نے فرمایا: ماشاء اللہ بہت عمدہ ہے، بہت عمدہ ہے۔ غرض کہ آپ کی ذات میں بہت ساری علمی و ادبی و اخلاقی خوبیاں موجود ہیں۔ طبیعت میں عاجزی و سادگی کوٹ کوٹ کر بھری ہے۔ بڑی سادہ اور تصنع سے خالی زندگی گذارنے کے عادی ہیں۔ پڑھنا، پڑھانا اور کتابیں لکھنا، یہی آپ کے مشاغلِ حیات ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ آپ کی دینی و علمی خدمات کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے اور جماعتِ اہل سنت پر آپ کا سایہ تادیر قائم رکھے۔ آمین، یا رب العلمین بجاہ سید المرسلین علیہ وعلی آلہ أفضل الصلاۃ وأکمل التسلیم.

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حامدا و مصلیا و مسلما

قائل کی تکفیر و تضلیل اور تفسیق و تقصیر کب کی جاتی ہے اور کن اعتقادات واقوال اور افعال واحوال اور امارات وعلامات پر کی جاتی ہے۔ اس کو واضح کرنے سے قبل ایمان وکفر کی حقیقت واضح کر دینا ضروری ہے تاکہ کفر اور تکفیر کی حقیقت خوب خوب روشن ہو جائے۔

ایمان وکفر کی حقیقت

"المعتقد المنتقد میں ہے:

ایک قول یہ ہے: **ایمان** محض دل سے تصدیق کرنے کا نام ہے، یعنی دل کا ان باتوں کو قبول کرنا اور تسلیم کرنا جن کا **محمد** ﷺ کے دین سے ہونا بالضرورۃ معلوم ہو۔ (**ضرورت** کے یہ معنی ہیں کہ وہ باتیں بدیہی ہیں) اس حیثیت سے کہ خاص وعام، نظر وفکر واستدلال کی حاجت کے بغیر انھیں جانتے ہیں۔ یہی مذہب جمہور اشاعرہ کے نزدیک مختار ہے اور حنفیوں میں سے ماتریدی وغیرہ نے یہی اختیار فرمایا ہے۔

اور دنیا میں احکام اسلام جاری کرنے کے لیے اقرار شرط ہے اور اس بات پر سب متفق ہیں کہ تصدیق کرنے والے کو یہ لازم ہے کہ دل میں یہ پختہ ارادہ رکھے کہ اس سے جب اقرار کا مطالبہ ہوگا تو وہ اقرار کرے گا۔ اب اگر اس سے اقرار طلب کیا گیا اور اس نے اقرار نہ کیا تو کفر عنادی ہے۔ اور علما نے یہ فرمایا کہ عناد کو چھوڑنا ایمان کی شرط ہے۔

اور دوسرا قول یہ ہے کہ ایمان دل سے تصدیق اور زبان سے اقرار کرنے کا نام ہے اور اس کی تعبیر یہ کی جاتی ہے کہ ایمان تصدیق بالجنان (قلب) اور اقرار باللسان ہے۔ (اس جملے کا وہی معنی ہے جو پہلے گزرا یعنی تصدیق قلبی اور زبان سے اقرار) اور یہی مذہب ابوحنیفہ

اور ان کے اصحاب اور اشاعرہ کے محققین سے منقول ہے۔ لہذا دونوں (دل سے تصدیق اور زبان سے اقرار) میں سے ہر ایک (حقیقت ایمان کا) رکن ہے تو ایمان انھیں دونوں کے تحقق سے ثابت ہوتا ہے مگر اس صورت میں جب زبان سے بولنے سے عاجز ہو تو ایمان ایسے شخص کے حق میں صرف تصدیق قلب سے ثابت ہو جائے گا۔ تو تصدیق ایسا رکن ہے جس میں سقوط کا اصلاً احتمال نہیں اور اقرار کبھی سقوط کا احتمال رکھتا ہے اور یہ ایسے شخص کے حق میں ہے جو (پیدائشی طور پر) بولنے سے عاجز ہو یا (اس بات پر) مجبور کیا گیا ہو۔ (کہ اقرار نہ کرے) یہ کلام اقرار کے تصدیق کے ساتھ رکن یا شرط ہونے کی حیثیت سے ضم ہونے میں ہے۔ اقرار کے سوا وہ باتیں جو قطعاً شرط ہیں اور وہ تصدیق قلبی کے ساتھ بالتصدیق اور اقرار کے ساتھ ضم کی گئیں تو وہ ایسے امور ہیں جن کو چھوڑنا بالاتفاق ایمان کو چھوڑنا ہے جیسے کہ درج ذیل باتوں کا ترک مثلاً بت کو سجدہ کرنا اور نبی کو قتل کرنا اور نبی کو ہلکا جاننا اور قرآن اور کعبے کی توہین (کہ ان مذکورہ امور سے دور رہنا شرط ایمان ہے) اور یوں ہی ان امور دین کی مخالفت سے باز رہنا شرط ایمان ہے جن پر اجماع امت ہے یہ جان لینے کے بعد کہ یہ امور اجماعی ہیں۔ اور یہ قید لگائی گئی کہ ان امور میں دلیل قطعی وارد ہے اور اس کی معرفت میں خاص وعام شریک ہیں۔ (المعتقد المنتقد مترجم، ص: ۳۶۰ تا ۳۶۳)

"فتاوی امجدیہ" میں ہے:

عرف شرع میں ایمان کے معنی ہیں ان تمام چیزوں کی تصدیق کرنا جن کا دین محمدی ﷺ سے ہونا بالضرورۃ معلوم ہو یا یوں کہا جائے کہ جمیع ضروریات دین کی تصدیق کا نام ایمان ہے۔

قاضی بیضاوی نے تفسیر میں فرمایا:

"أما في الشرع فالتصديق بما علم بالضرورة أنه من دين محمد ﷺ كالتوحيد والنبوة والبعث والجزاء." (٤/ ٣٨٦)

نیز اسی میں ہے:

"ایمان نام ہے: جمیع ضروریات دین کی تصدیق کا اگر کسی ایک ضروری دینی کی تکذیب کرے کافر ہے۔ اگرچہ باقی ضروریات کو مانتا ہو۔"

علامہ تفتازانی "شرح عقاید نسفیہ" میں فرماتے ہیں:

"الإيمان في الشرع هو التصديق بما جاء به من عند الله، أي تصديق النبي بالقلب في جميع ما علم بالضرورة مجيئه به من عند الله تعالى إجمالاً." (٤/ ٤٤١)

امام احمد رضا قدس سرہ رسالہ "سبحان السبوح" میں فرماتے ہیں:

"سید العالمین محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم جو کچھ اپنے رب کے پاس سے لائے ان سب میں ان کی تصدیق کرنا اور سچے دل سے ان کی ایک ایک بات پر یقین لانا ایمان ہے۔۔۔۔ اور مَعَاذَاللہ (عَزَّوَجَلَّ) ان میں سے کسی بات کا جُھٹلانا اور اس میں ادنیٰ شک لانا کُفْر (ہے)۔" (فتاوی رضویہ، ۱۵/۳/۱۷ رسالہ تمہید ایمان، امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی شریف-۲۰/۴۳۱، رسالہ سبحان السبوح، برکات رضا پوربندر، گجرات)

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

"محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کو ہر بات میں سچا جانے، حضور کی حقانیت کو صدقِ دل سے ماننا ایمان ہے جو اس کا مقر ہو اسے مسلمان جانیں گے جب کہ اس کے کسی قول یا فعل یا حال میں اللہ ورسول کا انکار یا تکذیب یا توہین نہ پائی جائے۔ (فتاوی رضویہ، ۲۹/۲۵۴)

اس سے یہ حقیقت روشن ہوگئی کہ نبی پاک ﷺ اپنے رب کے پاس سے جو کچھ لائے ان سب میں آپ کی تصدیق کرنا اور سچے دل سے آپ کی ایک ایک بات پر یقین کرنا ایمان ہے اور اپنے قول یا فعل یا حال کے ذریعہ ان میں سے کسی کا انکار یا اس کی تکذیب یا توہین کفر ہے، کیوں کہ انکار یا تکذیب و توہین جس طرح اقوال سے ہوتی ہے افعال واحوال اور خاص

امارات وعلامات سے بھی ہوتی ہے، ”مواقف“ اور اس کی شرح میں ہے:

”من صدق بما جاء به النبي ﷺ مع ذلك سجد للشمس كان غير مومن بالإجماع.“ (الإعلام بقواطع الإسلام، ص: ٣٤٨)

”جو شخص نبی پاک ﷺ کی لائی ہوئی تمام باتوں کو دل سے مانے اور اس کے ساتھ ساتھ سورج کو سجدہ کرے تو بالاجماع مومن نہیں۔“

”فتاوی حدیثیہ“ میں ہے:

”إن الشارع جعل بعض المعاصي أمارة على عدم وجوده (أي التصديق القلبي) كالهزل المذكور وكما لو سجد للصنم أو وضع مصحفا في قارورة فإنه يكفر.“

”شارع نے بعض معاصی کو تصدیق قلبی نہ ہونے کی نشانی قرار دی ہے جیسے امر شرعی کا مذاق اڑانا، بت کو سجدہ کرنا، قرآن کریم کو گندی جگہ ڈال دینا، کیوں کہ ایسا کرنے والے کی تکفیر کی جائے گی۔“

امام احمد رضا قدس سرہ فرماتے ہیں:

”اقول وباللہ التوفیق: اگرچہ کفر تكذيب النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في بعض ماجاء به من عند ربه جل وعلا کا نام ہے اور تکذیب صفت قلب مگر جس طرح اقوال مکفرہ اس تکذیب پر علامت ہوتے اور اُن کی بنا پر حکمِ کفر دیا جاتا ہے یوں ہی بعض افعال بھی اُس کی امارت اور حکمِ تکفیر کے باعث ہوتے ہیں۔

كإلقاء المصحف فى القاذورات والسجود للصنم وقتل النبى والزنا بحضرته وكشف العورة عند الأذان وقراء ة القرآن على جهة الاستخفاف وكل مادلّ على الاستهزاء بالشرع أو الازدراء به.“

(”جیسا کہ قرآن کریم کو گندگی میں پھینکنا، بُت کو سجدہ کرنا، نبی کو قتل کرنا، اس کے

رُوبرو زنا کرنا، اذان سُن کر شرمگاہ کو ننگا کرنا، قرآن کو تحقیر کے انداز میں پڑھنا، اس کے علاوہ ہر وہ عمل جو شریعت کے ساتھ استہزا و اہانت پر دلالت کرے۔" ت)

یہ حکم اُس اجماع کا منافی نہیں ہو سکتا کہ نفس فعل من حیث ہو مبنائے تکفیر نہیں بلکہ من حيث كونه علما على الجحود الباطني والتكذيب القلبي، والعياذ بالله تعالٰى منه." (فتاوی رضویہ مترجم، ۱۰۲/۵، کتاب الصلاۃ، رضا اکیڈمی، ممبئی)

"بہار شریعت" میں ہے:

"بعض افعال بھی ایسے ہیں جن سے کافر ہو جاتا ہے مثلاً بت کو سجدہ کرنا، مصحف شریف کو نجاست کی جگہ پھینک دینا۔" (۱۷۳/۹)

"فتاوی امجدیہ" میں ہے:

"جان بوجھ کر قرآن پاک کو زمین پر پھینکنا کفر ہے۔" (۴۴۱/۴)

کفر کی دو قسمیں ہیں: قولی اور فعلی

اس سے معلوم ہوا کہ **کفر کی دو قسمیں ہیں: قولی اور فعلی۔** "کلیات ابوالبقا" میں ہے:

"والكفر قد يحصل بالقول تارة وبالفعل أخرى والقول الموجب للكفر إنكار مجمع عليه فيه نص ولا فرق بين أن يصدر عن اعتقاد أو عناد أو استهزاء. والفعل الموجب للكفر هو الذي يصدر عن تعمُّد ويكون الاستهزاء صريحا بالدين كالسجود للصنم." (کلیات ابوالبقا، ص:۲۷، ۲۸)

"کفر کبھی قول سے ہوتا ہے تو کبھی فعل سے بھی اور قول وہ موجب کفر ہے جس میں اجماعی حکم کا انکار ہو رہا ہو جس میں نص وارد ہو اب یہ انکار خواہ اعتقاداً ہو یا عناداً یا مذاقاً۔ اور فعل وہ موجب کفر ہے جس کا صدور قصد و ارادہ سے ہو اور دین کے ساتھ کھلا ہوا مذاق بھی جیسے بُت کو سجدہ کرنا۔"

"نبراس" میں ہے:

"ولا نزاع في أن من المعاصي ما جعله الشارع امارة التكذيب أى علامته كسجود الصنم وإلقاء المصحف في القاذورات أي النجاسات والتلفظ بكلمات الكفر ونحو ذلك. فالإجماع انعقد على أن هذه الأفعال كفر والثابت بالإجماع ثابت بكلام الشارع."

اس پر سب کا اتفاق ہے کہ بعض معاصی کو شارع نے تکذیب کی علامت قرار دی ہے، جیسے بت کو سجدہ کرنا، قرآن کریم کو نجاستوں میں ڈالنا، کلمات کفر بکنا وغیر ذلک۔ ان چیزوں کے کفر ہونے پر اجماع منعقد ہو چکا ہے۔ اور جو چیز اجماع سے ثابت ہو وہ در حقیقت کلام شارع ہی سے ثابت ہے۔

شفا اور اس کی شرح میں ہے:

"وهذان الضربان أي النوعان من اتيان الفعل أو القول الموصوفين علم أي علامة أن فاعلها كافر ومنسلخ من الإيمان أي خارج عنه."

یہ دونوں قسمیں یعنی اس قسم کے اقوال وافعال اس بات کی علامت ہیں کہ ایسا کرنے والے کافر اور ایمان سے خارج ہیں۔

فتاوی رضویہ میں ہے:

"شرح فقہ اکبر میں ہے:

"قال ابن الهمام وبالجملة فقد ضم الى تحقيق الايمان اثبات امور الاخلال بها اخلال بالايمان اتفاقا، كترك السجود لصنم وقتل نبي او الاستخفاف به او بالمصحف او الكعبة،الخ."

محقق ابن الہمام نے فرمایا حاصل یہ ہے کہ وجود ایمان کے لیے چند امور کے اثبات کا انضمام کیا جائے گا اور ان میں خلل اندازی بالاتفاق ایمان میں خلل اندازی کے مترادف ہوگی

جیسے بُت کو سجدہ نہ کرنا، کسی نبی کو قتل نہ کرنا، نبی یا مصحف یا بیت اللہ شریف کی توہین نہ کرنا الخ۔

(منح الروض الازهر شرح فقه الاكبر استحلال المعصية ولو صغيرة كفر، مطبع مصطفى البابي مصر، ص:١٥٢)

اعلام بقواطع الاسلام میں قواعد امام قرافی سے ہے:

"هذا الجنس قد ثبت للوالد ولو فی زمن من الازمان وشريعة من الشرائع فكان شبهة دارئة لكفر فاعله بخلاف السجود لنحو الصنم اوالشمس فانه لم يرد هو ولا مايشابهه فی التعظيم فی شريعة من الشرائع فلم يكن لفاعل ذٰلك شبهة لاضعيفة و لاقوية فكان كافرا ولانظر لقصد التقرب فيما لم ترد الشريعة بتعظيمه بخلاف من وردت بتعظيمه."

یہ جنس، والد کے لیے ثابت ہے اگرچہ کسی زمانے یا کسی شریعت میں ہو پس یہ شبہہ کفر فاعل کے لیے دافع ہوگا بخلاف اس کے کہ مثل بت یا سورج کو سجدہ کیا جائے کیونکہ وہ اور جو بھی اس کے مشابہ ہو تعظیم میں، کسی شریعت میں وارد نہیں ہوا لہٰذا اس کام کے کرنے والے کے لیے کوئی ضعیف اور قوی شبہہ نہیں بس کرنے والا کافر ہے اور جس کی تعظیم کے لیے شریعت میں کچھ وارد نہیں ہوا ارادہ تقرب کے لیے اسے نہیں دیکھا جائے گا بخلاف اس کے جس کی تعظیم کے لیے شریعت وارد ہوئی۔ (ت)

(الاعلام بقواطع الاسلام لابن حجر مکی الہیتمی مکتبۃ الحقیقۃ استنبول ترکی ص ۳۴۸)

شفا شریف میں ہے:

"كذٰلك نكفر بكل فعل اجمع المسلمون انه لايصدر الامن كافروان كان صاحبه مصرحا بالاسلام مع فعله ذٰلك الفعل السجود للصنم وللشمس والقمروالصليب والنار، الخ."

اسی طرح سب ایسے کام جن کا صدور کفار سے ہوتا ہے اگر وہ دعوی اسلام کے

باوجود وہ کام کرے تو اس کی تکفیر پر مسلمانوں کا اتفاق ہے اور ہم بھی اس کی تکفیر کرتے ہیں جیسے چاند، سورج یا کسی بت یا صلیب اور آگ وغیرہ کے آگے سجدہ کرنا الخ (ت)

(الشفاء بتعریف حقوق المصطفٰی فصل فی بیان ماھو من المقالات المطبعۃ الشرکۃ النعمانیۃ ۲/۲۷۲)

اُسی میں ہے:

"کل مقالة صرحت بنفی الربوبية او الوحدانية اوعبادة احد غيرالله او مع الله فهی كفر كمقالة الدهرية والذين اشركوا بعبادة الاوثان من مشركی العرب واهل الهند والصين اھ مختصراً."

ہر ایسی گفتگو جس سے نفی ربوبیت یا نفی الوہیت کی تصریح اور اظہار ہوتا ہو یا اللہ تعالٰی کے سوا کسی کی عبادت یا اللہ تعالٰی کی عبادت کے ساتھ کسی اور کی عبادت کرنا کفر ہے جیسے دہریوں کی گفتگو اور مشرکین عرب میں سے ان لوگوں کی گفتگو جو بت پرستی کی وجہ سے مشرک ہوئے اور اہل ہند اور اہل چین کی گفتگو اھ مختصراً (ت)

(فتاوی رضویہ، ۱۶۲/۲۴، برکات رضا، پوربندر، گجرات)

نیز اسی میں ہے:

مسئلہ ۲۲ و ۲۳: ماتھے پر قشقہ تِلک لگانا یا کندھے پر صلیب رکھنا کفر ہے، وفی منح الروض:

"لووضع الغل على كتفه فقد كفر اذا لم يكن مكرها. وفيه عن الملتقط، اخذ الغل جادا اوهازلا يكفر الا اذا فعل خديعة فی الحرب، اھ. اقول: وهذا شیئ لايعرف فی ديارنا ولفظ جامع الفصولين وضع صليبا على كتفه كفراھ. وهذا واضح فلعل مافی المنح تصحيف. والله تعالٰى اعلم."

(منح الروض الازہر شرح فقہ الاکبر فصل فی الکفر صریحًا وکنایۃً مصطفی البابی مصر ص ۱۸۵)

(منح الروض الازہر شرح فقہ الاکبر فصل فی الکفر صریحًا وکنایۃً مصطفی البابی مصر ص۱۸۵)

(جامع الفصولین الفصل الثامن فی مسائل کلمات الکفر اسلامی کتب خانہ کراچی ۳۱۲/۲)

منح الروض میں ہے:

"اگر کسی نے اپنے کندھے پر زنجیر (صلیب) رکھی تو کافر ہوگیا بشرطیکہ مجبور نہ کیا گیا ہو، اور اسی (منح الروض) میں فتاوٰی ملتقط کے حوالے سے ہے۔ زنجیر خواہ سنجیدگی سے رکھی یا ہنسی مذاق سے، دونوں صورتوں میں کافر ہوگیا مگر یہ کہ جنگ میں کفار کو مغالطہ دینے کے لیے ایسا کیا (تو گنجائش ہے) اھ

اقول: (میں کہتا ہوں) (غل کے معنی زنجیر ہیں) اور یہ اس معنی میں ہمارے شہروں میں متعارف نہیں۔ اور "جامع الفصولین" کے الفاظ یہ ہیں: کسی نے اپنے کندھے پر صلیب رکھی تو بلاشبہ کافر ہوگیا اور یہ واضح ہے، لہٰذا منح الروض میں جو کچھ مذکور ہوا وہ کتابت کی غلطی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)"

مسئلہ ۲۴: زنّار باندھنا کفر ہے۔ منح الروض میں ہے:

"لو شد الزنار علی وسطه فقد کفر ای اذا لم یکن مکرھا."

اگر کسی نے اپنی کمر پر زنّار (علامت کفر کا دھاگہ) باندھا تو بیشک کافر ہوگیا بشرطیکہ اس پر زبردستی نہ کی گئی ہو۔ (ت)

(منح الروض الازہر شرح الفقہ الاکبر فصل فی الکفر صریحًا وکنایۃً مصطفی البابی مصر ص۱۸۵)

اسی میں ملتقط سے ہے:

"شدالزنار جادا اوھاز لا یکفر الا اذافعل خدیعة فی الحرب."

زنّار باندھا خواہ سنجیدگی سے ایسا کیا یا ہنسی مذاق سے، تو کافر ہوگیا مگر جبکہ جنگ میں دشمن کو دھوکے میں ڈالنے کے لیے ایسا کیا (تو کسی قدر گنجائش ہے)۔ (ت)

(منح الروض الازہر شرح فقہ الاکبر فصل فی الکفر صریحًا وکنایۃً مصطفی البابی مصر ص۱۸۵)

اسی میں محیط سے ہے:

"ان شدالمسلم الزنار ودخل دار حرب للتجارة کفر."

اگر کسی مسلمان نے زنّار گلے میں باندھا اور دار حرب (دار کفر) میں کاروبار کے لیے گیا تو کافر ہو گیا۔ (ت)

(منح الروض الازہر شرح فقہ الاکبر فصل فی الکفر صریحًا و کنایۃً مصطفی البابی مصر ص ۱۸۵)

اسی طرح جامع الفصولین و خزانۃ المفتین میں ہے اشباہ والنظائر میں ہے:

"عبادۃ الصنم کفروکذا لوتزنر بزنار الیھود والنصاری دخل کنیستھم اولم یدخل."

بُت کی پرستش کفر ہے، اور اسی طرح حکم کفر ہے اگر کسی نے یہودیوں یا عیسائیوں کا زنّار گلے میں باندھا (تو اس حرکت سے کافر ہو جائے گا) خواہ ان کے گرجے میں جائے یا نہ جائے۔ (ت)

(الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب السیر باب الردۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱/۲۹۵)

بحر الرائق میں ہے:

"یکفر بشدالزنار فی وسطه الااذا فعل ذلك خدیعة فی الحرب وطلیعة للمسلمین."

کمر میں زنّار باندھنے سے کافر ہو جائے گا مگر جبکہ جنگ میں کفار کو مغالطہ اور دھوکا دینے کے لیے ایسا کرے یا لشکر اسلام سے کفار کے حالات معلوم کرنے کے لیے پہلے جائے (اور زنّار باندھ لے)۔ (ت)

(بحر الرائق کتاب السیر باب احکام المرتدین ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/۱۲۳)

مسئلہ ۲۵: زُنّار بھی نہیں کوئی رسّی کا ٹکڑا کمر سے باندھا کسی نے کہا یہ کیا ہے، کہا زُنار۔ کافر ہو جائے گا۔

خلاصہ وعالمگیریہ وبزازیہ وظہیریہ وجامع الفصولین وخزانۃ المفتین وغیرہ میں ہے:

امرأة شدت على وسطها حبلا وقالت هذا زنار تكفر.

کسی عورت نے اپنی کمر میں کوئی رسی باندھی (تو اس سے پوچھا گیا یہ کیا ہے؟) اس نے جواب دیا یہ زنّار ہے تو وہ کافرہ ہوجائے گی۔ (ت)

(فتاوی رضویہ، ۲۴/۵۵۰،۵۵۱، برکات رضا، پوربندر، گجرات)

اس سے معلوم ہوا کہ کفر کی دو قسمیں ہیں: قولی اور فعلی اور یہ کہ انکار باطن اور تکذیب قلب پر دلالت کرنے والے افعال واحوال بھی اقوال کی طرح حکم تکفیر کا باعث ہوتے ہیں۔ اس لیے کہ باطن کے انکار کے ساتھ تصدیق قلبی کہاں رہی، نیز یہ معلوم ہوا کہ ضروریات دین پر ایمان لانے کے لیے دین کی ہر ہر ضروری بات کی تصدیق قلبی تفصیلی ضروری نہیں بلکہ اجمالاً تصدیق کافی ہے۔ ہاں جو تمام ضروریات دین تفصیلاً جانتا ہے اس کے لیے تصدیق قلبی تفصیلاً ضروری ہے۔

"فتاوی حدیثیہ" میں ہے:

"إن التصديق بالمعلوم من الدين بالضرورة لا يشترط التصديق به أو ببعضه تفصيلاً إلا لمن علمه تفصيلا بأن تواتر عنده فلا بد من التصديق به وإلا كان كافرا، وأما ما لم يتواتر شيئ منه فيكفيه التصديق الإجمالي لما علمت من أن إنكاره قبل التواتر غير كفر." (ص:۲۰۱)

یعنی ضروریات دین کی تصدیق کرنے میں تفصیلی تصدیق ضروری نہیں ہاں جسے تفصیلی علم ہے اس کے لیے تصدیق تفصیلی ضروری ہے ورنہ کافر ہوجائے گا لیکن جو باتیں تواتر کے طور پر ثابت نہیں ان کی اجمالی تصدیق کافی ہے، اس لیے کہ **غیر متواتر کا انکار کفر نہیں۔ کفر کے لیے بطور تواتر ثبوت ضروری ہے یعنی کسی شخص کے نزدیک کوئی بات بطور تواتر ثابت ہو پھر وہ اس میں شک کرے یا اس کا انکار کرے تو وہ کافر ہے۔**

"فتاوی حدیثیہ" میں ہے:

"لا يكفى في الكفر بالإنكار أن يقول له شخص أو أشخاص لم يبلغوا عدد التواتر هذا واجب أو حلال أو حرام بل لا بد أن يتواتر عنده ذلك فإذا تواتر عنده كفر بالشك أو الإنكار." (ص:۲۰۱)

"ایک شخص یا عدد تواتر سے کم چند اشخاص کسی کو یہ بتائیں کہ یہ چیز فرض یا حلال یا حرام ہے اور وہ نہ مانے تو کافر نہ ہوگا، کیوں کہ کفر کے لیے بطور تواتر ثبوت ضروری ہے (اور یہاں بطریق تواتر ثابت نہیں) ہاں کوئی بات کسی کے نزدیک بطور تواتر ثابت ہو پھر وہ اس میں شک کرے یا اس کا انکار کرے تو کافر ہو جائے گا۔"

ایمان و کفر کی حقیقت اور اقسام کفر روشن ہو جانے کے بعد سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ ایک ضابطہ پیش فرماتے ہیں جس سے یہ حقیقت روشن ہو جاتی ہے کہ کن اعتقادات و اقوال اور افعال و احوال اور امارات و علامات پر تکفیر و تضلیل و تفسیق کی جاتی ہے اور کب کسی کو گنہ گار اور خطا کار و قصور وار کہا جاتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

"مانی ہوئی باتیں چار قسم کی ہوتی ہیں:

ضروریات دین و ضروریات مذہب اہل سنت و جماعت

(۱) ضروریاتِ دین:

ان کا ثبوت قرآن عظیم یا حدیث متواتر یا اجماع قطعیات الدلالات واضحۃ الافادات سے ہوتا ہے جن میں نہ شبہے کی گنجائش نہ تاویل کو راہ۔ اور ان کا منکر یا ان میں باطل تاویلات کا مرتکب کافر ہوتا ہے۔

(۲) ضروریاتِ مذہبِ اہلسنت و جماعت:

ان کا ثبوت بھی دلیل قطعی سے ہوتا ہے۔ مگر ان کے قطعی الثبوت ہونے میں

ایک نوعِ شبہہ اور تاویل کا احتمال ہوتا ہے اسی لیے ان کا منکر کافر نہیں بلکہ گمراہ، بدمذہب، بددین کہلاتا ہے۔

(۳)ثابتات محکمہ:

ان کے ثبوت کو دلیل ظنی کافی، جب کہ اس کا مفاد اکبر رائے ہو کہ جانبِ خلاف کو مطروح و مضمحل اور التفاتِ خاص کے ناقابل بنادے۔ اس کے ثبوت کے لیے حدیث احاد، صحیح یا حسن کافی، اور قول سوادِ اعظم و جمہور علما کی سندِ وافی، (فانّ ید اللہ علی الجماعۃ .)

ان کا منکر وضوحِ امر کے بعد خاطی و آثم خطاکار و گناہگار قرار پاتا ہے، نہ بددین و گمراہ نہ کافر و خارج از اسلام۔

(۴)ظنّیات محتملہ:

ان کے ثبوت کے لیے ایسی دلیل ظنّی بھی کافی، جس نے جانبِ خلاف کے لیے بھی گنجائش رکھی ہو، ان کے منکر کو صرف مخطی و قصور وار کہا جائے گا نہ گنہگار، چہ جائیکہ گمراہ، چہ جائیکہ کافر۔

ان میں سے ہر بات اپنے ہی مرتبے کی دلیل چاہتی ہے جو فرقِ مراتب نہ کرے اور ایک مرتبے کی بات کو اس سے اعلیٰ درجے کی دلیل مانگے وہ جاہل بے وقوف ہے یا مکّار فیلسوف۔۔۔۔۔۔ع

ہر سخن وقتے ہر نکتہ مقامے دارد

اور۔۔۔۔۔۔ع

گر فرق مراتب نہ کنی زندیقی

اور بالخصوص قرآنِ عظیم بلکہ حدیث ہی میں تصریح صریح ہونے کی تو اصلاً ضرورت نہیں حتّٰی کہ مرتبہ اعلیٰ اعنی ضروریاتِ دین میں بھی۔

بہت باتیں ضروریاتِ دین سے ہیں جن کا منکر یقیناً کافر مگر بالتصریح ان کا ذکر

آیات و احادیث میں نہیں، مثلاً باری عزوجل کا جہل محال ہونا۔

قرآن عظیم میں اللہ عزوجل کے علم و احاطہ کا لاکھ جگہ ذکر ہے مگر امتناع و امکان کی بحث کہیں نہیں پھر کیا جو شخص کہے کہ واقع میں تو بے شک اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے، عالم الغیب والشہادۃ ہے، کوئی ذرّہ اس کے علم سے چھپا نہیں۔

مگر ممکن ہے کہ جاہل ہو جائے تو کیا وہ کافر نہ ہوگا کہ اس کے امکان کا سلبِ صریح قرآن میں مذکور نہیں۔ حاش للہ ! ضرور کافر ہے اور جو اسے کافر نہ کہے خود کافر، تو جب ضروریاتِ دین ہی کے ہر جزئیہ کی تصریح صریح، قرآن و حدیث میں ضرور نہیں تو ان سے اُتر کر اور کسی درجے کی بات پر یہ مڑچڑا پن کہ ہمیں تو قرآن ہی میں دکھاؤ ورنہ ہم نہ مانیں گے ، نِری جہالت ہے یا صریح ضلالت، مگر جنون و تعصب کا علاج کسی کے پاس نہیں۔“(فتاوی رضویہ، ۱۸/۲۶۰، کتاب العقائد والکلام، رسالہ اعتقاد الاحباب فی الجمیل المصطفیٰ... عقیدۂ تاسعہ)

ایک اور مقام پر مثالوں سے واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”مسائل تین قسم کے ہوتے ہیں۔

(۱) **ایک ضروریات دین** اُن کا منکر بلکہ اُن میں ادنیٰ شک کرنے والا بالیقین کافر ہوتا ہے ایسا کہ جو اس کے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر۔

(۲) **دوم ضروریات عقائد اہلسنت**، ان کا منکر بدمذہب گمراہ ہوتا ہے۔

(۳) **سوم وہ مسائل کہ علمائے اہلسنت میں مختلف فیہ ہوں** اُن میں کسی طرف تکفیر و تضلیل ممکن نہیں۔

یہ دوسری بات ہے کہ کوئی شخص اپنے خیال میں کسی قول کو راجح جانے خواہ تحقیقاً یعنی دلیل سے اسے وہی مرجح نظر آیا خواہ تقلیداً کہ اسے اپنے نزدیک اکثر علما یا اپنے معتمد علیہم کا قول پایا۔ کبھی ایک ہی مسئلہ کی صورتوں میں یہ تینوں قسمیں موجود ہو جاتی ہیں۔

مثلاً اللہ عزوجل کے لیے ید و عین کا مسئلہ: قال اللہ تعالیٰ: يَدُ اللهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ .

(القرآن الکریم:۴۸، الفتح:۱۰) ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے۔

و قال تعالیٰ : وَلِتُصْنَعَ عَلٰى عَيْنِيْ. (القرآن الکریم:۲۰، طہٰ:۳۹)

اور اس لیے کہ تو میری نگاہ کے سامنے تیار ہو۔

"ید" ہاتھ کو کہتے ہیں، عین آنکھ کو۔ اب جو یہ کہے کہ جیسے ہمارے ہاتھ آنکھ ہیں ایسے ہی جسم کے ٹکڑے اللہ عزوجل کے لیے ہیں وہ قطعًا کافر ہے اللہ عزوجل کا ایسے ید و عین سے پاک ہونا ضروریات دین سے ہے۔ اور جو کہے کہ اس کے ید و عین بھی ہیں تو جسم ہی مگر نہ مثل اجسام، بلکہ مشابہت اجسام سے پاک و منزہ ہیں وہ گمراہ بددین کہ **اللہ عزوجل کا جسم و جسمانیات سے مطلقًا پاک و منزہ ہونا ضروریات عقائد اہلسنت و جماعت سے ہے۔**
اور جو کہے کہ اللہ عزوجل کے لیے ید و عین ہیں کہ مطلقًا جسمیت سے بری و مبرا ہیں وہ اس کی صفات قدیمہ ہیں جن کی حقیقت ہم نہیں جانتے نہ اُن میں تاویل کریں وہ قطعًا مسلم سُنّی صحیح العقیدہ ہے اگرچہ یہ عدم تاویل کا مسئلہ اہلسنت کا خلافیہ ہے متاخرین نے تاویل اختیار کی پھر اس سے نہ یہ گمراہ ہوئے کہ وہ کہ اجرا علی الظاہر بمعنی مذکور کرتے ہیں جس کا حاصل صرف اتنا کہ "اٰمَنَّا بِهٖ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا". ہم اس پر ایمان لائے، سب ہمارے رب کے پاس سے ہے۔(القرآن الکریم ۳/۷)

بعینہ یہی حالت مسئلہ علم غیب کی ہے۔ اس میں بھی تینوں قسم کے مسائل موجود ہیں۔

(۱) اللہ عزوجل ہی عالم بالذات ہے بے اُس کے بتائے ایک حرف کوئی نہیں جان سکتا۔

(۲) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور دیگر انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام کو اللہ عزوجل نے اپنے بعض غیوب کا علم دیا۔

(۳) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا علم اوروں سے زائد ہے ابلیس کا علم، معاذ

اللہ علم اقدس سے ہرگز وسیع تر نہیں۔

(۴) جو علم اللہ عزوجل کی صفت خاصہ ہے جس میں اُس کے حبیب **محمد** رسول اللہ ﷺ کو شریک کرنا بھی شرک ہو وہ ہرگز ابلیس کے لیے نہیں ہوسکتا جو ایسا مانے قطعًا مشرک کافر ملعون بندۂ ابلیس ہے۔

(۵) زید و عمرو ہر بچے پاگل، چوپائے کو علمِ غیب میں **محمد** رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مماثل کہنا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صریح توہین اور کھلا کفر ہے، **یہ سب مسائل ضروریاتِ دین سے ہیں اور اُن کا منکر ان میں ادنیٰ شک لانے والا قطعًا کافر، یہ قسمِ اول ہوئی۔**

(۶) اولیاے کرام نفعنا اللہ تعالیٰ ببرکاتھم فی الدارین کو بھی کچھ علومِ غیب ملتے ہیں مگر بوساطت رسل علیھم الصلوٰۃ والسلام۔ معتزلہ خذلھم اللہ تعالیٰ کہ صرف رسولوں کے لیے اطلاع غیب مانتے اور اولیاے کرام رضی اللہ تعالیٰ عنھم کا علومِ غیب کا اصلاً حصہ نہیں مانتے گمراہ و مبتدع ہیں۔

(۷) اللہ عزوجل نے اپنے محبوبوں خصوصًا سید المحبوبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم وسلم کو غیوب خمسہ سے بہت جزئیات کا علم بخشا جو یہ کہے کہ خمس میں سے کسی فرد کا علم کسی کو نہ دیا گیا ہزار ہا احادیث متواترۃ المعنٰی کا منکر اور بدمذہب خاسر ہے، **یہ قسم دوم ہوئی۔**

(۸) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تعیینِ وقتِ قیامت کا بھی علم ملا۔

(۹) حضور کو بلا استثنا جمیع جزئیات خمس کا علم ہے۔

(۱۰) جملہ مکنونات قلم و مکتوبات لوح بالجملہ روزِ اول سے روزِ آخر تک تمام ماکان ومایکون مندرجہ لوحِ محفوظ اور اس سے بہت زائد کا عالم ہے جس میں ماورائے قیامت تو جملہ افراد خمس داخل اور دربارۂ قیامت اگر ثابت ہو کہ اس کی تعیین وقت بھی درج لوح ہے تو اسے بھی شامل، ورنہ دونوں احتمال حاصل۔

(۱۱) حضور پُر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حقیقتِ روح کا بھی علم ہے۔
(۱۲) جملہ متشابہات قرآنیہ کا بھی علم ہے، **یہ پانچوں مسائل قسم سوم سے ہیں کہ ان میں خود علما و آئمہ اہل سنت مختلف رہے ہیں** جس کا بیان بعونہ تعالیٰ عنقریب واضح ہوگا ان میں مثبت و نافی کسی پر معاذ اللہ کفر کیا معنی ضلال یا فسق کا بھی حکم نہیں ہو سکتا جب کہ پہلے سات مسئلوں پر ایمان رکھتا ہو اور ان پانچ کا انکار اُس مرض قلب کی بنا پر نہ ہو جو وہابیہ قاتلھم اللہ تعالیٰ کے نجس دلوں کو ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فضائل سے جلتے اور جہاں تک بنے تنقیص و کمی کی راہ چلتے ہیں۔

فی قلو بهم مرض فزادهم الله مرضا ولأهل السنة من الله أحمد رضا امين. (فتاوی رضویہ، ۱۸/۵۵۳، کتاب العقائدوالکلام، خالص الاعتقاد، امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی شریف)

ادلّہ سمعیہ کی چار قسمیں ہیں

فتاوی رضویہ میں ردالمحتار، کتاب الطہارۃ، ج:۱، ص:۷۰ کے حوالے سے ہے:

أقول: بيان ذلك إن الأدلة السمعية أربعة:

الأول: قطعي الثبوت والدلالة كنصوص القرآن المفسرة والمحكمة والسنة المتواترة التي مفهومها قطعي.

الثاني: قطعي الثبوت ظني الدلالة كالآيات المؤولة.

الثالث: عكسه كاخبار الآحاد التي مفهومها قطعي.

الرابع: ظنيهما كاخبار الآحاد التي مفهومها ظني.

میں کہتا ہوں: اس کا بیان یہ ہے کہ سمعی دلیلیں چار قسم کی ہیں۔

(۱) وہ دلیل جو ثبوت اور دلالت دونوں میں قطعی ہو (ایک تو خود وہ یقینی طور پر ثابت ہو، دوسرے یہ کہ معنی مطلوب پر اس کی دلالت اور اس سے مقصود کا اثبات بھی قطعی و

یقینی ہو) جیسے قرآنِ کریم کے مفسَّر محکم نصوص اور وہ حدیث متواتر جس کا معنی قطعی ہے۔

(۲) وہ دلیل جو ثبوت میں قطعی اور دلالت میں ظنی ہو۔ جیسے وہ آیات جن کے معنی میں تاویل کی گئی ہے۔

(۳) اس کے برعکس (وُہ دلیل جو ثبوت میں ظنی اور دلالت میں قطعی ہو) جیسے وہ احادیثِ آحاد جن کا معنی قطعی ہے۔

(۴) وہ دلیل جو ثبوت واثبات دونوں میں ظنی ہو، جیسے وہ اخبار آحاد جن کا معنی ظنی ہے۔

(فتاوی رضویہ مترجم، الجود الحلوفی ارکان الوضوء، ۱/۱۹۰، رضا اکیڈمی، ممبئی)

گذشتہ اقتباسات میں امعان فکر ونظر سے یہ حقیقت روز روشن سے زیادہ عیاں ہوجاتی ہے کہ ضروریات دین کے انکار اور ان میں ادنی شک وشبہہ کرنے اور ان میں باطل تاویلات کے ارتکاب پر تکفیر کی جاتی ہے۔ اور ضروریات دین کا منکر، ان میں ادنی شک کرنے والا اور ان میں باطل تاویلات کرنے والا بالیقین کافر ہوتا ہے ایسا کہ جو اس کے کفری عقائد وافعال وحرکات پر آگاہ ومطلع ہوکر دیدہ ودانستہ اس کے کافر ہونے میں شک کرے وہ بھی کافر ہوتا ہے۔

سیدنا اعلی حضرت قدس سرہ فرماتے ہیں:

"فی الواقع جو بدعتی ضروریاتِ دین میں سے کسی شیٔ کا منکر ہو باجماعِ مسلمین یقیناً قطعاً کافر ہے اگرچہ کروڑ بار کلمہ پڑھے، پیشانی اس کی سجدے میں ایک ورق ہوجائے، بدن اس کا روزوں میں ایک خاکہ رہ جائے، عمر میں ہزار حج کرے، لاکھ پہاڑ سونے کے راہِ خدا پر دے، واللہ ہرگز ہرگز کچھ مقبول نہیں جب تک حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ان تمام ضروری باتوں میں جو وہ اپنے رب کے پاس سے لائے تصدیق نہ کرے، ضروریات اسلام اگر مثلاً ہزار ہیں تو ان میں سے ایک کا بھی انکار ایسا ہے جیسا نوسونناوے ۹۹۹ کا...... الحاصل ایمان تصدیق قلبی کا نام ہے اور وہ بعد انکار ضروریات کہاں؟ (فتاوی رضویہ مترجم، کتاب السیر، ۱۴/۱۲۳-۱۲۸)

نیز فرماتے ہیں:

”ضروریات دین کا جس طرح انکار کفر ہے یوں ہی ان میں شک و شبہہ اور احتمال خلاف، ماننا بھی کفر ہے یوں ہی ان کے منکر یا ان میں شاک کو مسلمان کہنا اسے کافر نہ جاننا بھی کفر ہے۔“ (رسالہ المبین ختم النبیین، فتاوی رضویہ مترجم، ۱۴/۳۳۸، برکات رضا، پور بندر، گجرات)

ضروریات دین کا ثبوت کن دلیلوں سے ہوتا ہے

یہ بھی معلوم ہوا کہ ضروریاتِ دین کا ثبوت قرآن عظیم کے مفسر و محکم نصوص یا حدیث متواتر (جس کا مفہوم قطعی ہو) یا اجماع قطعیات الدلالات واضحۃ الافادات سے ہوتا ہے جن میں نہ شبہے کی گنجائش نہ تاویل کو راہ۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ ضرورت کے معنی دین کی بدیہی باتیں ہیں جیسا کہ امام احمد رضا قدس سرہ فرماتے ہیں:

”والتحقيق عندى ان الضرورة ههنا بمعنى البداهة وقد تقرر ان البداهة والنظرية تختلف باختلاف الناس فرب مسألة نظرية مبنية على نظرية أخرى إذا تبيّن المبنى عند قوم حتى صار أصلا مقررا وعلما ظاهرا فالأخرى التى لم تكن تحتاج فى ظهورها إلا إلى ظهور الأولى تلتحق عندهم بالضروريات وإن كانت نظرية فى نفسها ألا ترى أن كل قوس لم تبلغ ربعا تاما من أربعة أرباع الدور وجود كل من القاطع والظل الأول لها بديهى عندالمهندس لايحتاج أصلا إلى أعمال نظر وتحريك فكر بعد ملاحظة المصادرة المشهورة المسلمة المقررة وإن كان هو والمصادرة كلاهما نظر يّين فى أنفسهما هكذا حال ضروريات الدين.“

”میرے نزدیک تحقیق یہ ہے کہ ضرورت یہاں بداہت کے معنی میں ہے اور یہ

حقیقت ثابت شدہ ہے کہ **افراد واشخاص کے اعتبار سے بداہت و نظریت مختلف ہوتی ہے**۔ بسا اوقات کسی نظری مسئلہ کی بنیاد کسی اور دوسرے نظری مسئلہ پر قائم ہوتی ہے۔ مگر جب کسی جماعت کے نزدیک وہ مبنی روشن ہو کر مسلمہ قاعدہ اور بدیہی اقوال کی صورت اختیار کر لیتا ہے تو اس پر مبنی مسئلہ فی نفسہ نظری ہوتے ہوئے بدیہی چیزوں سے ملحق ہو جاتا ہے جیسا کہ ارباب ہندسہ مشہور و مسلم اور مانے ہوئے مصادر کو ملاحظہ کرنے کے بعد ہر اس قوس کے لیے ظل اول اور قاطع کے وجود کو بدیہی کہتے ہیں جو دائرہ کی پوری چوتھائی کے برابر نہ ہو اور ان کے نزدیک اس کے لیے نظر و فکر کو بروے کار لانے کی قطعی حاجت نہیں۔ اگرچہ فی نفسہ یہ مسئلہ اور وہ مصادرہ دونوں ہی نظری ہیں۔ ٹھیک یہی حال ضروریاتِ دین کا بھی ہے۔ (فتاوی رضویہ، کتاب الطہارۃ، رسالہ الجود الحلوفی ارکان الوضوء، ۱/۱۸۰، رضا اکیڈمی ممبئی)

اصل مدار ضروریات دین ہیں

یہ بھی معلوم ہوا کہ اصل مدار ضروریات دین ہیں اور ضروریاتِ دین کے ہر ہر جزئیہ کی صریح تصریح قرآن و حدیث میں ضروری نہیں، اس لیے کہ بہت سے امور ضروریات دین سے ہیں جن کا منکر قطعاً یقیناً کافر ہے مگر آیات واحادیث میں ان کا صریح ذکر نہیں، مثلاً باری عزوجل کا جہل محال ہونا۔

امام احمد رضا قدس سرہ فرماتے ہیں:

"مسلمانو! **اصل مدار ضروریات دین ہیں اور ضروریات اپنے ذاتی روشن بدیہی ثبوت کے سبب مطلقاً ہر ثبوت سے غنی ہوتے ہیں یہاں تک کہ اگر بالخصوص ان پر کوئی نص قطعی اصلاً نہ ہو جب بھی ان کا وہی حکم رہے گا کہ منکر یقیناً کافر** مثلاً عالم بجمیع اجزائہ حادث ہونے کی تصریح کسی نص قطعی میں نہ ملے گی۔ غایت یہ کہ آسمان وزمین کا حدوث ارشاد ہوا ہے مگر باجماع مسلمین کسی غیر خدا کو قدیم ماننے والا قطعاً کافر ہے جس کی اسانید

کثیرہ فقیر کے رسالہ "مقامع الحدید علی خد المنطق الجدید ۱۳۰۴ھ" میں مذکور تو وجہ وہی ہے کہ **حدوث جمیع ماسوی اللہ ضروریات دین سے ہے** کہ اسے کسی ثبوت خاص کی حاجت نہیں۔"

(رسالہ ردالرفضۃ، فتاوی رضویہ مترجم، ۱۴/۲۶۶، برکات رضا، پور بندر)

"المستند المعتمد" میں فرماتے ہیں:

"اور ان لوگوں (محققین) کے نزدیک بھی کسی نص کی موجودگی کی حاجت نہیں، اس لیے کہ بہت سی ضروریات دین وہ ہیں جن پر نص نہیں جیسا کہ "اعلام" وغیرہ کے مطالعہ سے ظاہر ہے۔ تو وجود نص کی قید (اکثر حنفی اور محققین کے) دونوں قول پر رائیگاں ہے۔ (مترجم، ص:۳۶۳)

یہ بھی معلوم ہوا کہ دین کے جس ضروری امر پر سارے مجتہدین امت کا اتفاق ہو ایسے **اجماع قطعی و یقینی کا انکار کفر ہے۔**

علامہ جلال شمس الدین محمد بن احمد محلی کی شرح "جمع الجوامع" میں ہے:

''جاحد المجمع عليه المعلوم من الدين بالضرورة) وهو ما يعرف منه الخواص والعوام من غير قبول للتشكيك فالتحق بالضروريات كوجوب الصلاة والصوم وحرمة الزنا والخمر (كافر قطعا) ؛ لأن جحده يستلزم تكذيب النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فيه وما أوهمه كلام الآمدي وابن الحاجب من أن فيه خلافا ليس بمراد لهما.'' (۲ / ۱۷۲)

"جو اجماعی مسئلہ ضروریات دین سے ہے یعنی جسے عوام و خواص سبھی شک و شبہہ کے بغیر اس طرح جانتے ہیں جیسے وہ بدیہی ہے، مثلاً نماز و روزہ کا فرض ہونا، زنا و شراب کا حرام ہونا تو اس کا منکر کافر ہے؛ کیوں کہ اس کا انکار حضور اقدس ﷺ کی تکذیب کو مستلزم ہے۔ رہا آمدی اور ابن حاجب کے کلام سے اختلاف کا شبہہ تو ان کی مراد اس میں اختلاف نہیں ہے۔"

"حاشیہ بنّانی" میں ہے:

"أي بل مرادهما أن الخلاف الذي ذكراه إنما هو فيما لم يعلم من الدين

بالضرورة من المجمع عليه وأما ما علم من الدين بالضرورة مما أجمع عليه فلا خلاف في كفر جاحده." (ج:۲، ص: ۲۰۱، مطبع: أصح المطابع، ممبئی)

"یعنی بلکہ ان کی مراد یہ ہے کہ غیر ضروریات دین کے منکر کے کفر میں اختلاف ہے اور جو اجماعی مسئلہ ضروریات دین سے ہے اس کے منکر کے کافر ہونے میں کوئی اختلاف نہیں۔"

"کلیات ابوالبقاء" میں ہے:

"خرق الإجماع القطعي الذي صار من ضروريات الدين كفر ولا نزاع في إكفار منكر شئ من ضروريات الدين." (ص: ٥٥٤)

"جو اجماع قطعی ضروریات دین سے ہے اس کا منکر کافر ہے۔ دین اسلام کی کسی بھی ضروری بات کے انکار کرنے والے کی تکفیر میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں۔"

علامہ ابن حجر ہیتمی امام نووی کی "روضۃ" کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"إن الصواب تقييده بما إذا جحد مجمعا عليه يعلم من دين الإسلام ضرورة." (الإعلام بقواطع الإسلام مع سبيل النجاة، ص: ۳۵۳ – أيضا فتاوى رضويه)

درست بات یہ ہے کہ اجماعی مسئلہ کے انکار پر تکفیر اس قید سے مقید ہے کہ ایسے اجماعی مسئلہ کا منکر کافر ہے جو ضروریات دین سے ہو۔

امام احمد رضا قدس سرہ فرماتے ہیں:

"اور ائمہ کرام و علمائے اعلام حجیت اجماع کو ضروریاتِ دین سے بتاتے اور مخالف اجماع قطعی کو کافر ٹھہراتے ہیں۔

مواقف عضدالدین و شرح مواقف علامہ سید شریف مطبوعہ استنبول جلد اول ص۱۵۹ میں ہے: كون الإجماع حجة قطعية معلوم بالضرورة من الدين۔ **اجماع کا قطعی حجت ہونا ضروریات دین سے ہے۔**

(شرح المواقف باب المقصد السادس منشورات الشریف الرضی قم ایران ۱/۲۵۵)
(فتاوی رضویہ ۱۴/۸۸۸، برکات رضا، پوربندر، گجرات)

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

"مجتہد جس شے کی طلب جزمی، حتمی اذعان کرے، اگر وہ اذعان بدرجۂ یقین معتبر فی اصول الدین ہو (اور اس تقدیر پر مسئلہ نہ ہوگا مگر مجمع علیہ ائمہ دین) تو وہ فرض اعتقادی ہے جس کا منکر عند الفقہا مطلقاً کافر، اور متکلّمین کے نزدیک (منکر اس وقت کافر ہے۔) جب کہ مسئلہ ضروریات دین سے ہو اور یہی عند المحققین احوط و اسدّ اور ہمارے اساتذۂ کرام کا مُعَوَّل و معتمد"۔ (فتاوی رضویہ مترجم، الجود الحلوفی ارکان الوضوء، ۱/۱۸۰ و ۱۸۱، رضا اکیڈمی، ممبئی)

جمہور فقہا و محققین کا اجماعی و قطعی الثبوت مسئلہ میں اختلاف

"المستند المعتمد" میں ہے:

"تحقيق المقام أن أكثر الحنفية يكفرون بإنكار كل مقطوع كما هو المصرح في "رد المحتار" وغيره وهو ومن وافقهم قائلون بإنكار كل مجمع عليه بعد ما كان الإجماع قطعيا ودلالة ولا حاجة إلى وجود النص. والمحققون لا يكفرون إلا بإنكار ما علم من الدين ضرورة بحيث يشترك في معرفته الخاص والعام المخالطون للخواص فإذا كان المجمع عليه هكذا كفر منكره، وإلا فلا." (ص: ۱۹۵)

"تحقیق یہ ہے کہ اکثر علماے حنفیہ ہر قطعی دینی مسئلہ کے انکار پر تکفیر فرماتے ہیں اور اسی طرح قطعی الثبوت و قطعی الدلالت اجماعی مسئلہ کے انکار پر بھی تکفیر کرتے ہیں اور نص کی موجودگی کی حاجت نہیں، لیکن محققین صرف ضروری دینی کے انکار پر تکفیر فرماتے ہیں جسے خواص اور ان سے تعلق رکھنے والے عوام بھی جانتے ہیں تو جو اجماعی مسئلہ ایسا (ضروریات

دین اسلام سے) ہو اس کا منکر کافر ہوگا اور ایسا نہ ہو تو کافر نہیں۔"

نیز "المستند المعتمد" میں ہے:

"یہ (قرآن کو مخلوق ماننے والے کی تکفیر) سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالی عنہ کی "فقہ اکبر" میں نص ہے اور صحابہ کرام و تابعین عظام اور مجتہدین اعلام (ان سب سے اللہ راضی ہو) سے کلام الٰہی کو مخلوق کہنے والے کی تکفیر بتواتر منقول ہے جیسا کہ ہم نے "سبحان السبوح عن عیب کذب مقبوح" میں ان حضرات میں سے بہت کی نصوص نقل کی اور امر قطعی کے ہر منکر کی تکفیر کے بارے میں یہی لوگ فقہاے کرام کے مقتدا ہیں اور متکلّمین نے تکفیر کو ضروری دینی کے انکار میں منحصر کیا اور اسی میں زیادہ احتیاط ہے۔" (المستند المعتمد مترجم، ص:۱۶۵)

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کوئی اجماعی مسئلہ قطعی ہے مگر ضروریات دین سے نہیں تو محققین اس کے منکر کی تکفیر نہیں فرماتے محققین صرف اسی اجماعی قطعی مسئلہ کے انکار پر تکفیر فرماتے ہیں جو کہ ضروریات دین سے ہو جیسا کہ گزرا کہ "منکر عند الفقہا مطلقاً کافر اور متکلّمین کے نزدیک جب کہ مسئلہ ضروریات دین سے ہو اور یہی عند المحققین احوط اور اسدّ اور ہمارے اساتذۂ کرام کا مُعَوَّل و معتمد۔" (فتاوی رضویہ، الجود الحلو فی ارکان الوضوء)

یہ بھی معلوم ہوا کہ ضروریات مذہب اہل سنت و جماعت کا منکر کافر نہیں بلکہ گم راہ، بد مذہب اور بد دین ہے ضروریات مذہب اہل سنت و جماعت کا ثبوت بھی قطعی و یقینی دلیل سے ہوتا ہے مگر ان کے قطعی الثبوت ہونے میں ایک نوع کا شبہہ اور تاویل کا احتمال ہوتا ہے، اس لیے کہ وہ ایسے نصوص سے ثابت نہیں ہوتے جو محکم و مفسر ہوں جن کا مفہوم قطعی و یقینی ہو۔ بر خلاف ضروریات دین کے کہ وہ قطعی الدلالات اور واضحۃ الافادات محکم و مفسر نصوص سے ثابت ہوتے ہیں، اس لیے نہ ان میں شبہہ کی گنجائش ہوتی ہے اور نہ ہی تاویل کو راہ ہوتی ہے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ محققین فقہا اور متکلّمین محتاطین کے نزدیک تکفیر کے

لیے ضروری دینی کا انکار ضروری ہے جس میں نہ شبہہ کی گنجائش ہو اور نہ تاویل کو راہ اور جو مسئلہ دین قطعی طور پر ثابت ہو اور درجہ یقین کو پہنچا ہوا ہو مگر وہ ضروریات دین سے نہیں تو محققین اس کے انکار پر تکفیر نہیں فرماتے ہیں اور مذہب محققین ہی حق ہے اگر چہ جمہور فقہاے حنفیہ کے نزدیک قطعی الثبوت غیر ضروری دینی کا منکر بھی کافر ہے، اس لیے کہ اس کی تکفیر کی بھی ایک وجہ ہے۔

"ردالمحتار" میں ہے:

"والاصل أن من اعتقد الحرام حلالا فإن كان دليله قطعياً كفر." (باب المرتد، ٤/ ٢٢٣، بيروت)

اس سے یہ بھی معلوم و منکشف ہوا کہ تکفیر و تضلیل کا مقام و محل یکساں نہیں بلکہ الگ الگ ہے اور ایک ہی مسئلہ میں تکفیر و تضلیل کی قائل ایک ہی جماعت نہیں بلکہ دو الگ الگ جماعتیں ہیں۔ رہ گیا کہ کب تفسیق کی جائے گی تو یہ بھی واضح ہوا کہ ثابتات محکمہ کا منکر فاسق و خطا کار و گنہ گار قرار پاتا ہے۔ ثابتات محکمہ کے انکار پر صرف تفسیق کی جائے گی منکر کو فاسق و خطا کار و گنہ گار کہا جائے گا، نہ بد دین و گمراہ اور نہ کافر و خارج از اسلام۔ ثابتات محکمہ کے ثبوت کے لیے احادیث آحاد، صحیح یا حسن کافی اور سواد اعظم و جمہور علما کی سند وافی ہے فإن يد الله على الجماعة.

"تفسیرات احمدیہ" میں ہے:

"إن المعراج إلى المسجد الأقصى قطعي، ثابت بالكتاب وإلى سماء الدنيا ثابت بالخبر المشهور وإلى فوقه من السموات ثابت بالآحاد، فمنكر الأول كافر البتة ومنكر الثاني مبتدع ضالٌّ ومنكر الثالث فاسق." (تفسیرات احمدیہ، بحث الآية: سبحان الذي أسرى، ص:٣٢٨)

یعنی مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک معراج رسالت ﷺ قطعی طور پر ثابت ہے

اس کا ثبوت قرآن کریم سے ہے اور آسمان دنیا تک آپ کا تشریف لے جانا خبر مشہور سے ثابت ہے۔

اور آسمان دنیا سے اوپر دوسرے آسمانوں تک آپ کا تشریف لے جانا اخبار آحاد سے ثابت ہے تو اول کا منکر بالیقین کافر ہے اور دوسرے کا منکر مبتدع اور گم راہ ہے اور تیسری قسم کا منکر فاسق ہے۔

تکفیر و تضلیل و تفسیق کے الگ الگ مقامات و درجات کی تعیین و توضیح کے بعد ایک درجہ مُخطی اور قصور وار کا آتا ہے کسی قائل و فاعل کو کب مخطی و قصور وار کہا جاتا ہے تو یہ بھی واضح ہوا کہ ظنیات محتملہ یعنی ایسی ظنی دلیل جس میں جانب مخالف کی بھی گنجائش ہو، جانب مخالف مطروح و مضمحل اور التفات خاص کے ناقابل نہ ہو اس کا منکر مخطی و قصور وار کہلاتا ہے نہ کہ گنہ گار، نہ کہ بد دین و گمراہ، نہ کافر و خارج از اسلام۔

تکفیر صرف ضروریات دین ہی کے انکار پر کی جاتی ہے، ضروریات مذہب اہل سنت کے انکار پر نہیں

یہ چار مقامات ہیں جن میں محققین کے مذہب احوط پر **تکفیر صرف ضروریات دین ہی کے انکار پر کی جاتی ہے، ضروریات مذہب اہل سنت کے انکار پر نہیں**، خود امام اہل سنت، مجدد دین وملت، اعلی حضرت قدس سرہ فرماتے ہیں:

"غرض ضروریات کے سوا کسی شے کا انکار کفر نہیں اگرچہ ثابت بالقواطع ہو کہ عند التحقیق آدمی کو اسلام سے خارج نہیں کرتا مگر انکار اُس کا جس کی تصدیق نے اُسے دائرہ اسلام میں داخل کیا تھا اور وہ نہیں مگر ضروریاتِ دین کما حققه العلماء المحققون من الأئمة المتكلمين (جیسا کہ ائمہ متکلمین کے محقق علما نے تحقیق کی ہے۔ت) ولہذا خلافت خلفاے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا منکر مذہب تحقیق میں کافر نہیں

حالانکہ اُس کی حقانیت بالیقین قطعیات سے ثابت۔"(فتاوی رضویہ مترجم، کتاب الصلاۃ، ۵/۱۰۱، رضا اکیڈمی، ممبئی)

"المستند المعتمد"میں ہے:

"الإكفار لا يجوز إلا إذا تحقق لنا قطعًا أنه مكذب أو مستخف ولا قطع إلا فى الضروريات، لأن في غيرها له أن يقول: لم يثبت عندى."(ص:۲۲، المجمع الاسلامی، مبارک پور)

یعنی تکفیر صرف اسی وقت جائز ہے جب کہ قطعی طور پر یہ بات ثابت ہو جائے کہ قائل جھٹلانے والا یا خفیف وہلکا سمجھنے والا ہے اور اس بات کا قطعی ویقینی علم صرف ضروریات دین میں ہوتا ہے، اس لیے کہ ضروریات دین کے علاوہ دیگر امور دین میں وہ یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ بات میرے نزدیک ثابت نہیں۔

"فتاوی حدیثیہ"میں ہے:

"القسم الأول (من ضروريات الدين) أنكره من العوام والخواص فقد كفر لأنه كالمكذب للنبي ﷺ فى بعض خبره ومن هذا القسم إنكار وجوب الصلاة والصوم والزكاة والحج ونحوها وتخصيص رسالته ﷺ ببعض الناس فمن قال ذلك فلا شك فى كفره. وإن اعترف بأنه رسول الله ﷺ لأن عموم رسالته إلى جميع الناس بما يعلمه الخواص والعوام من الدين."(ص: ١٤٤، بيروت)

یعنی پہلی قسم ضروریات دین ہیں یہ وہ امور دین ہیں جن کا عوام وخواص میں سے کوئی انکار کر دے تو کافر ہے، اس لیے کہ یہ حضور اقدس ﷺ کی بعض باتوں میں آپ کے جھٹلانے کی طرح ہے۔ **نماز، روزہ، زکات وحج وغیرہا امور دین کا انکار اور آپ کی رسالت بعض افراد انسانی کے ساتھ خاص کرنا اسی قسم اول (ضروریات دین) سے**

ہے۔ ایسا قائل بلا شبہہ کافر ہے اگر چہ اس بات کا اقرار کرے کہ رسول اللہ ﷺ اللہ تعالی کے رسول ہیں، اس لیے کہ **تمام جہانوں کے انسانوں کی طرف آپ کی رسالت کا عام ہونا ایسا امر دین ہے جسے عوام و خواص سبھی جانتے ہیں۔**

"المعتقد المنتقد" میں ہے:

"ما كان من أصول الدين وضروریاته يكفر المخالف فيه." (ص: ۲۱۲، المجمع الاسلامی، مبارک پور)

یعنی اصول دین وضروریات دین کی مخالفت کرنے والا کافر ہے۔

ان تحقیقات سے یہ معلوم ہوا کہ محققین فقہا اور متکلّمین محتاطین کے نزدیک ضروریات دین ہی کے انکار پر تکفیر کی جائے گی، ضروریات دین کے علاوہ دیگر امور اگر چہ قطعی طور پر ثابت ہوں ان کے انکار پر تکفیر نہ کی جائے گی، اس لیے کہ عند التحقیق انسان اسی چیز کے انکار سے اسلام سے خارج ہوتا ہے جس کی تصدیق نے اسے اسلام میں داخل کیا تھا اور وہ صرف ضروریات دین ہی ہیں۔ "فتاوی حدیثیہ" میں ہے:

''ولا يكفر بإنكار قطعي غير ضروري كاستحقاق بنت الابن السدس مع بنت الصلب ، وظاهر كلام الحنفية كفره ويجب حمله أي بناء على قواعدهم على منكر علم أنه قطعي وإلا فلا يكفر.'' (مطلب أصول الدين، ص: ۱۹۹)

"جو دینی بات قطعی ہو مگر بدیہی نہیں تو اس کے انکار پر تکفیر نہیں کی جائے گی جیسے بیٹی کی موجودگی میں پوتی کے لیے چھٹا حصہ کا انکار کرنا، مگر حنفیہ کا ظاہر کلام تکفیر کی جانب مشعر ہے تو ان کے قواعد کے مطابق ان کا کلام اس صورت پر محمول کرنا ضروری ہے کہ منکر اس قطعی امر کی قطعیت کے علم کے بعد اس کا انکار کرے تو اس کی تکفیر کی جائے گی۔"

ضروریات دین کسے کہتے ہیں؟

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ضروریات دین کسے کہتے ہیں؟ تو یہ بھی واضح ہوا کہ **ضروریات دین**: دین اسلام کے وہ امور ہیں جو قرآن کریم کے مفسر و محکم نصوص یا مفسر و محکم حدیث متواتر یا اجماع قطعی و یقینی سے اس طرح ثابت ہوں کہ ان میں نہ کسی شبہہ کی گنجائش ہو نہ تاویل کی کوئی راہ اور ان کا امور دین سے ہونا ہر خاص و عام نظر و استدلال کے بغیر جانتے ہوں۔

"ردالمحتار" میں ہے:

"وصرح أيضا بأن ما كان من ضروريات الدين وهو ما يعرف الخواص والعوام أنه من الدين كوجوب اعتقاد التوحيد والرسالة والصلوات الخمس وأخواتها يكفر منكره وما لا فلا كفساد الحج بالوطء قبل الوقوف وإعطاء السدس الجدة ونحوه أي مما لا يعرف كونه من الدين إلا الخواص." (٢/ ٤٤٠، كتاب الصلاة باب الموتر والنوافل، مطلب في منكر الوتر والسنن والإجماع، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان)

"اور اس بات کی بھی تصریح کر دی گئی کہ **ضروریات دین**: وہ امور ہیں جنھیں عوام و خواص دین سے ہونا جانتے ہیں، مثلاً توحید و رسالت اور نماز پنجگانہ وغیرہ کا اعتقاد کہ ان امور دین کا منکر کافر ہے اور جو باتیں ضروریات دین سے نہیں ان کا منکر کافر نہیں، مثلاً وقوف عرفہ سے پہلے بیوی سے ہم بستری کر لینے سے حج کا فاسد ہو جانا اور جدّہ (نانی/دادی) کو مال میراث سے حصہ دینا وغیرہ ایسی باتیں جن کا امور دین سے ہونا صرف خواص جانتے ہیں۔

"التقدير والتحبير على تحرير الكمال بن الهمام" میں ہے:

"ما كان من ضروريات الدين أي دين الإسلام وهو ما يعرفه منه الخواص والعوام من غير قبول للتشكيك كوجوب اعتقاد التوحيد

والرسالة ووجوب الصلوت الخمس وأخواتها من الزكاة والصيام والحج." (۳۱۵۱، دار الفكر، بیروت)

"**دین اسلام کی ضروری باتیں**: وہ ہیں جنھیں عوام وخواص کسی شک وشبہہ کے بغیر دین اسلام سے ہونا جانیں، مثلاً توحید ورسالت کا اعتقاد اور نماز پنج گانہ وغیرہ فرائض دین اسلام مثلاً زکات وروزہ وحج کے فرض عین ہونے کا اعتقاد۔

"المعتقد المنتقد" میں ہے:

"قيل: الإيمان هو التصديق بالقلب فقط أي قبولُ القلب وادعاءه لما علم من بالضرورة أنه من دين محمد ﷺ بحيث يعلمه الخاصة والعامة من غير افتقار إلى نظر واستدلال."(ص:۱۹۴،المجمع الاسلامی، مبارک پور، اعظم گڑھ)

"کہا گیا ہے کہ ایمان صرف دل سے تصدیق کرنے کا نام ہے یعنی محمد رسول اللہ ﷺ کے دین اسلام کی ان ضروری باتوں کو دل سے مان لینا جنھیں ہر خاص وعام نظر واستدلال کے بغیر جانیں۔"

حاشية چلپي على شرح العقائد میں ہے:

"ما اشتهر كونه من الدين بحيث يعلمه العامة بلا دليل كوحدة الصانع ووجوب الصلاة وحرمة الخمر حتى لو لم تصدق بوجوب الصلاة مثلاً عند سؤالها فهو كافر عند الجمهور." (۳/ ١٤٥)

"**یعنی ضروریات دین**:، دین اسلام کی ایسی معروف ومشہور باتیں ہیں جنھیں ہر خاص وعام کسی دلیل کے بغیر جانتے ہیں، مثلاً خالق عالم کا ایک ہونا، نماز پنج گانہ کا فرض عین ہونا اور شراب کا حرام ہونا یہاں تک کہ نماز کی فرضیت کے متعلق استفسار وسوال کے وقت اگر کوئی شخص نماز کی فرضیت کی تصدیق نہ کرے تو وہ جمہور کے نزدیک کافر ہے۔"

فتاوی رضویہ، الصارم الرباني على إسراف القادياني میں ہے:

”مانی ہوئی باتیں چار قسم کی ہوتی ہیں:

اول ضروریاتِ دین جن کا منکر کافر، ان کا ثبوت قرآن عظیم یا حدیث متواتر یا اجماع قطعیات الدلالات واضحۃ الافادات سے ہوتا ہے جن میں نہ شبہے کی گنجائش نہ تاویل کو راہ۔“(مشمولہ فتاوی حامدیہ، ص:۱۳۴، جامعہ نوریہ رضویہ، بریلی شریف)

”بہار شریعت“ میں ہے:

”ضروریاتِ دین: وہ مسائلِ دین ہیں جن کو ہر خاص وعام جانتے ہوں، جیسے اللہ عزوجل کی وحدانیت، انبیا کی نبوت، جنت و نار، حشر و نشر وغیرہا، مثلاً یہ اعتقاد کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں، حضور (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے بعد کوئی نیا نبی نہیں ہوسکتا۔“(حصہ اول، ص:۱۷۲، ۱۷۳، مکتبۃ المدینہ)

عوام وخواص سے مراد کون ہیں؟

بہار شریعت میں ہے:

”خواص سے مراد: علمائے کرام ہیں اور **عوام سے مراد** وہ مسلمان ہیں جو علمائے کرام کی صحبت میں رہتے ہوں اور مسائلِ علمیہ سے ذوق رکھتے ہوں، نہ وہ کہ کوردہ(۴) اور جنگل اور پہاڑوں کے رہنے والے ہوں جو کلمہ بھی صحیح نہیں پڑھ سکتے، کہ ایسے لوگوں کا ضروریاتِ دین سے ناواقف ہونا اُس ضروری کو غیر ضروری نہ کر دے گا، البتہ ان کے **مسلمان ہونے کے لیے یہ بات ضروری ہے کہ ضروریاتِ دین کے منکر نہ ہوں اور یہ اعتقاد رکھتے ہوں کہ اسلام میں جو کچھ ہے حق ہے، ان سب پر اِجمالاً ایمان لائے ہوں۔** (بہار شریعت، حصہ اول، ص:۱۷۲، ۱۷۳، مکتبۃ المدینہ)

”فتاوی رضویہ“ میں ہے:

”أقول: المراد العوام الذين لهم شغل بالدين واختلاط بعلمائه

وإلا فکثیر من جهلة الأعراب لاسیما فی الهند والشرق لایعرفون کثیرا من الضروریات لابمعنی أنهم لها منکرون بل هم عنها غافلون."(فتاوی رضویہ مترجم، ۱/ ۶، کتاب الطهارة، باب الوضوء، رضا اکیڈمی، ممبئی)

یعنی عوام سے ایسے لوگ مراد ہیں جو دین اسلام اور علمائے دین سے ربط و تعلق رکھتے ہیں ورنہ تو بہت سے جاہل گنوار خاص کر ہندوستان اور مشرق میں دین اسلام کی بہت سی ضروری باتوں کو نہیں جانتے ہیں اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ ان کا انکار کرتے ہیں بلکہ وہ ان سے غافل ہیں۔

"فتاوی رضویہ" میں ہے:

"نصوصِ قرآنیہ (اپنی مراد پر واضح آیاتِ فرقانیہ) واحادیثِ مشہورہ متواترہ (شہرت اور تواتر سے مؤیّد) واجماعِ امت مرحومہ مبارکہ (کہ یہ قصرِ شریعت کے اساسی ستون ہیں اور شبہات و تاویلات سے پاک، ان میں سے ہر دلیل قطعی، یقینی واجب الاذعان والثبوت، ان) سے جو کچھ دربارۂ الوہیت (ذات و صفاتِ باری تعالیٰ) ورسالت (و نبوت انبیا و مرسلین وحی رب العلمین) (و کتب سماوی، و ملائکہ و جنِ وبعث و حشر و نشر و قیامِ قیامت، قضا و قدر) وماکان ومایکون (جملہ ضروریاتِ دین) ثابت (اور ان دلائل قطعیہ سے مدلل ان براہین واضحہ سے مبرہن) سب حق ہیں اور ہم سب پر ایمان لائے جنت اور اس کے جاں فزا احوال (کہ "لاعین رأت ولا أذن سمعت ولا خطر ببال أحدٍ". وہ عظیم نعمتیں وہ نعیم عظمتیں اور جان و دل کو مرغوب و مطلوب وہ لذتیں جن کو نہ آنکھوں نے دیکھا نہ کانوں نے سُنا، اور نہ کسی کے دل پر اُن کا خطرہ گزرا)

دوزخ اور اس کے جاں گزا حالات (کہ وہ ہر تکلیف و اذیت جو ادراک کی جائے اور تصور میں لائی جائے، ایک ادنی حصہ ہے اس کے بے انتہا عذاب کا، والعیاذ باللہ) قبر کے نعیم و عذاب (کہ وہ جنت کی کیاریوں میں سے ایک کیاری ہے یا جہنم کے گڑھوں میں سے ایک

گڑھا) منکر نکیر سے سوال و جواب روزِ قیامت حساب و کتاب و وزنِ اعمال (جس کی حقیقت اللہ جانے اور اس کا رسول) و کوثر (کہ میدانِ حشر کا ایک حوض ہے اور جنت کا طویل و عریض چشمہ) و صراط (بال سے زیادہ باریک، تلوار سے زیادہ تیز، پشتِ جہنم پر ایک پُل) و شفاعۃ عصاۃ اہلِ کبائر (یعنی گناہگاران اُمت مرحومہ کہ کبیرہ گناہوں میں ملوث رہے ان کے لیے سوالِ بخشش) اور اس کے سبب اہل کبائر کی نجات إلیٰ غیر ذلك من الواردات سب حق (ہے اور سب ضروری القبول) جبر و قدر باطل (اپنے آپ کو مجبورِ محض یا بالکل مختار سمجھنا دونوں گمراہی)۔

ولٰکن أمر بین أمر ین (اختیارِ مطلق اور جبر محض کے بین بین راہِ سلامتی اور اس میں زیادہ غور و فکر سبب ہلاکت، صدیق و فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس مسئلہ میں بحث کرنے سے منع فرمائے گئے۔ ماو شما کس گنتی میں) جو بات ہماری عقل میں نہیں آتی (اس میں خواہ مخواہ نہیں الجھتے اور اپنی اندھی اوندھی عقل کے گھوڑے نہیں دوڑاتے بلکہ) اس کو موکول بخدا کرتے (اللہ عزوجل کو سونپتے کہ و اللہ أعلم بالصواب) اور اپنا نصیبہ اٰمنّا به کلّ من عندِ ربّنا . بناتے ہیں۔'' (کہ سب کچھ حق کی جانب سے ہے سب حق ہے اور سب پر ہمارا ایمان)

مصطفیٰ اندر میاں آنگہ کہ می گوید بعقل آفتاب اندر جہاں آنگہ کہ می جوید سُہا

مصطفی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم تشریف فرما ہوں تو اپنی عقل سے کون بات کرتا ہے سورج دنیا میں جلوہ گر ہو تو چھوٹے سے ستارے کو کون ڈھونڈتا ہے۔

قال الرضا :

عرش پہ جاکہ مرغِ عقل تھک کے گرا، غش آگیا اور ابھی منزلوں پرے، پہلا ہی آستان ہے

(فتاوی رضویہ، کتاب العقائد والکلام، رسالہ اعتقاد الاٰل والاحباب، ۱۵۸/۱۸، امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی شریف)

ضروریات دین اسلام میں تاویل مسموع نہیں

گذشتہ سطور میں امعان فکر ونظر سے یہ حقیقت بھی روز روشن سے زیادہ عیاں و آشکار ہوجاتی ہے کہ **ضروریات دین اسلام میں تاویل (لفظ سے جو معنی ظاہر ہے اس کے خلاف مرادلینا) مسموع نہیں۔**

ابن وزیر یمنی متوفی: ۸۴۰ھ کی ''ایثار الحق علی الخلق''میں ہے:

''لا خلاف في كفر من جحد ذلك المعلوم بالضرورة للجميع وتستر باسم التاويل فی ما لا يمكن تاويله كالملاحدة.''(فصل فی ذكر من يقول بالرجاء ومن يقول بالإرجاء والفرق بينهما، ص:۳۷۷، دار الكتب العلمية، بيروت)

جو لوگ دین کی کسی ضروری بات کا انکار کریں اور تاویل کر کے اس انکار پر پردہ ڈالنا چاہیں بالاتفاق ان کی تکفیر ہوگی، جیسے ملحدین۔

باطل تاویلات کی توضیح

امام احمد رضا قدس سرہ فرماتے ہیں:

''یاد رکھنا چاہیے کہ وحی الٰہی کا نزول، کتبِ آسمانی کی تنزیل، جن و ملائکہ، قیامت و بعث، حشر و نشر حساب و کتاب، ثواب وعذاب اور جنت و دوزخ کے وہی معنی ہیں جو مسلمانوں میں مشہور ہیں اور جن پر صدر اسلام سے اب تک چودہ سو سال کے کافہ مسلمین و مومنین دوسرے ضروریاتِ دین کی طرح ایمان رکھتے چلے آرہے ہیں مسلمانوں میں مشہور ہیں۔

جو شخص ان چیزوں کو توحق کہے اوران لفظوں کا تواقرار کرے مگر ان کے نئے معنٰی گھڑے مثلاً یوں کہے کہ جنت و دوزخ و حشر و نشر و ثواب و عذاب سے ایسے معنی مراد ہیں جو ان کے ظاہر الفاظ سے سمجھ میں نہیں آتے۔ یعنی ثواب کے معنی اپنے حسنات کو دیکھ کر خوش ہونا۔ اور عذاب، اپنے برے اعمال کو دیکھ کر غمگین ہونا ہیں۔ یا یہ کہ وہ روحانی لذتیں اور باطنی معنی

ہیں وہ کافر ہے کیوں کہ **ان امور پر قرآن پاک اور حدیث شریف میں کھلے ہوئے روشن ارشادات موجود ہیں۔**

یوں ہی یہ کہنا بھی یقیناً کفر ہے کہ پیغمبروں نے اپنی اپنی اُمتوں کے سامنے جو کلام، کلامِ الٰہی بتاکر پیش کیا وہ ہرگز کلامِ الٰہی نہ تھا بلکہ وہ سب انہیں پیغمبروں کے دلوں کے خیالات تھے جو فوارے کے پانی کی طرح انہیں کے قلوب سے جوش مار کر نکلے اور پھر انہیں کے دِلوں پر نازل ہوگئے۔

یوں ہی یہ کہنا کہ نہ دوزخ میں سانپ، بچھو اور زنجیریں ہیں اور نہ وہ عذاب جن کا ذکر مسلمانوں میں رائج ہے، نہ دوزخ کا کوئی وجود خارجی ہے بلکہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے جو کلفت روح کو ہوئی تھی بس اسی روحانی اذیت کا اعلی درجہ پر محسوس ہونا اسی کا نام دوزخ اور جہنم ہے، یہ سب کفر قطعی ہے۔

یوں ہی یہ سمجھنا کہ جنت میں میوے ہیں نہ باغ، نہ محل ہیں نہ نہریں ہیں، نہ حوریں ہیں، نہ غلمان ہیں، نہ جنت کا کوئی وجود خارجی ہے بلکہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری کی جو راحت روح کو ہوئی تھی بس اسی روحانیت کا اعلی درجہ پر حاصل ہونا اسی کا نام جنت ہے، یہ بھی قطعاً یقیناً کفر ہے۔

یوں ہی یہ کہنا کہ اللہ عزوجل نے قرآن عظیم میں جن فرشتوں کا ذکر فرمایا ہے نہ ان کا کوئی اصل وجود ہے نہ ان کا موجود ہونا ممکن ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ہر ہر مخلوق میں جو مختلف قسم کی قوتیں رکھی ہیں جیسے پہاڑوں کی سختی، پانی کی روانی، نباتات کی فزونی بس انہیں قوتوں کا نام فرشتہ ہے ،یہ بھی بالقطع والیقین کفر ہے۔

یوں ہی جن و شیاطین کے وجود کا انکار اور بدی کی قوت کا نام جن یا شیطان رکھنا کفر ہے اور ایسے اقوال کے قائل یقیناً کافر اور اسلامی برادری سے خارج ہیں۔"

(فتاوی رضویہ ۲۵۸/۱۸، رسالہ اعتقاد الأل والاحباب، امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی شریف)

ضروریات دین میں تاویل مسموع نہیں ہوتی

اسی ''فتاوی رضویہ'' میں ہے:

''یہی سبب ہے کہ **ضروریات دین میں تاویل مسموع نہیں ہوتی** اور شک نہیں کہ قرآن جو بحمد اللہ تعالیٰ شرقاً غرباً قرناً فقرناً تیرہ سو برس سے آج تک مسلمانوں کے ہاتھوں میں موجود محفوظ ہے باجماع مسلمین بلاکم وکاست وہی "تنزیل رب العالمین" ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو پہنچائی اور ان کے ہاتھوں میں ان کے ایمان، ان کے اعتقاد، ان کے اعمال کے لیے چھوڑی، اسی کا ہر نقص وزیادت وتغییر وتحریف سے مصون ومحفوظ، اور اس کا وعدۂ حقہ صادقہ: ''اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ'' میں مراد وملحوظ ہونا ہی یقیناً ضروریات دین سے ہے۔

نہ یہ کہ قرآن جو تمام جہان کے مسلمانوں کے ہاتھ میں تیرہ سو برس سے آج تک ہے یہ تو نقص وتحریف سے محفوظ نہیں، ہاں ایک وہم تراشیدہ صورت ناکشیدہ دندان غول کی خواہر پوشیدہ غار سامرہ میں اصلی قرآن بغل کتمان میں دبائے بیٹھی ہے ''اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ'' کا مطلب یہی ہے یعنی مسلمانوں سے عمل تو اسی محرّف، مبدل، ناقص، نامکمل پر کرائیں گے اور اس اصلی جعلی کو ع

برائے نہادن چہ سنگ وچہ زر

کی کھوہ میں چھپائیں گے، گویا ''حٰفِظُوْنَ'' کے معنی یہ ہیں کہ قرآن کو مسلمانوں سے محفوظ رکھیں گے، انھیں اس کی پرچھائیں نہ دکھائیں گے۔

بعض ناپاکوں نے اس سے بڑھ کر تاویل نکالی ہے کہ قرآن اگرچہ کتنا ہی بدل جائے مگر علم الٰہی ولوح محفوظ میں تو بدستور باقی ہے، حالاں کہ علم الٰہی میں کوئی شے نہیں بدل سکتی، پھر قرآن کی کیا خوبی نکلی۔ توریت وانجیل در کنار، مہمل سے مہمل ردی سے ردی کوئی تحریر

جس میں مصنف کا ایک لفظ ٹھکانے سے نہ رہا بلکہ دنیا سے سراسر معدوم ہوگئی ہو علم الٰہی و لوح محفوظ میں یقیناً بدستور باقی ہے۔

ایسی ناپاک تاویلات ضروریات دین کے مقابل نہ مسموع ہوں، نہ ان سے کفر وارتداد اصلاً مدفوع ہوں ان کی حالت وہی ہے جو نیچر یہ نے آسمان کو بلندی، جبرئیل وملائکہ کو قوت خیر، ابلیس وشیاطین کو قوت بدی، حشر ونشر وجنت ونار کو محض روحانی نہ جسدی بنالیا۔ قادیانی مرتد نے خاتم النبیین کو افضل المرسلین، ایک دوسرے شقی نے نبی بالذات سے بدل دیا، ایسی تاویلیں سن لی جائیں تو اسلام وایمان قطعاً درہم برہم ہوجائیں، بت پرست لاالٰہ الااللہ کی تاویل کرلیں گے کہ یہ افضل واعلی میں حصر ہے یعنی خدا کے برابر دُوسرا خدا ہے وہ سب دوسروں سے بڑھ کر خدا ہے نہ یہ کہ دوسرا خدا ہی نہیں جیسے: "لا فتی إلا علي لا سیف إلا ذو الفقار"، وغیرہ محاوراتِ عرب سے روشن ہے۔ یہ نکتہ ہمیشہ یاد رکھنے کا ہے کہ ایسے مرتدانِ لِیام مدعیان اسلام کے مکروہ اوہام سے نجات و شفا ہے۔" و باللہ التوفیق والحمد للہ رب العٰلمین۔ (رسالہ ردُّالرفضۃ، فتاوی رضویہ مترجم، ۱۴/۲۶۷، ۲۶۸، برکات رضا، پوربندر، گجرات)

"فتاوی رضویہ" میں ہے:

"بالجملہ آیہ کریمہ: "ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین" مثل حدیث متواتر: لانبی بعدی۔ قطعاً عام اور اس میں مراد استغراق تام اور اس میں کسی قسم کی تاویل وتخصیص نہ ہونے پر اجماعِ امت خیر الانام علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام، یہ ضروریات دین سے ہے اور **ضروریاتِ دین میں کوئی تاویل یا اس کے عموم میں کچھ قیل وقال اصلاً مسموع نہیں**، جیسے آج کل دجال قادیانی بک رہا ہے کہ "خاتم النبیین سے ختم نبوت شریعت جدیدہ مراد ہے اگر حضور کے بعد کوئی نبی اسی شریعت مطہرہ کا مروّج و تابع ہو کر آئے کچھ حرج نہیں" اور وہ خبیث اس سے اپنی نبوت جمانا چاہتا ہے، یا ایک اور دجال نے کہا تھا کہ "تقدم و

تاخر زمانی میں کچھ فضیلت نہیں ۔ خاتم بمعنی آخر لینا خیال جُہّال ہے بلکہ خاتم النبیین بمعنی نبی بالذات ہے۔"(تحذیر الناس، ص:۵)

اور اسی مضمون ملعون کو دجّال اول نے یوں ادا کیا کہ

"خاتم النبیین بمعنی افضل النبیین ہے"۔

(مواہب الرحمٰن ذکر نبذ من عقائدنا، ص:۲۸۵۔ از روحانی خزائن)

ایک اور مرتد نے لکھا:

"خاتم النبیین ہونا حضرت رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بہ نسبت اس سلسلۂ محدودہ کے ہے نہ بہ نسبت جمیع سلاسل عوالم کے، پس اور مخلوقات کا اور زمینوں میں نبی ہونا ہرگز منافی خاتم النبیین کے نہیں جموع مُحلّٰی باللام امثال اس مقام پر مخصوص ہوتی ہیں"۔ (مناظرۂ احمدیہ)

چند اور خبیثوں نے لکھا کہ

"الف لام"، "خاتم النبیین" میں جائز ہے کہ عہد کے لیے ہو اور بر تقدیرِ تسلیم استغراق جائز ہے کہ استغراق عرفی کے لیے ہو اور بر تقدیرِ حقیقی جائز ہے کہ مخصوص البعض ہو اور بھی عام کے قطعی ہونے میں بڑا اختلاف ہے کہ اکثر علما ظنی ہونے کے قائل ہیں۔"(ناصر المومنین)

ان شیاطین سے بڑھ کر 'اور بعض ابلیسوں نے لکھا کہ

"اہل اسلام کے بعض فرقے ختم نبوت کے ہی قائل نہیں اور بعض قائل ختم نبوت تشریعی کے ہیں نہ مطلق نبوت کے۔"("تحریر رسمی زندیق" پشاوری)

یہ سب تاویل رکیک ہیں یا عموم و استغراق "النبیین" میں تشویش و تشکیک سب کفر صریح وار تداد فتیح، اللہ و رسول نے مطلقاً نفی نبوت تازہ فرمائی، شریعت جدیدہ وغیرہا کی کوئی قید کہیں نہ لگائی اور صراحۃً خاتم بمعنی آخر بتایا، متواتر حدیثوں میں اس کا بیان آیا اور صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے اب تک تمام امت مرحومہ نے اسی معنی ظاہر و متبادر

وعموم استغراق حقیقی تام پر اجماع کیا اور اسی بنا پر سلفاً وخلفاً ائمۂ مذاہب نے نبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے بعد ہر مدعی نبوت کو کافر کہا، کتبِ احادیث وتفسیر وعقائد وفقہ ان کے بیانوں سے گونج رہی ہیں۔ فقیر غفرلہ المولی القدیر نے اپنی کتاب "جزاء الله عدوہ بابائه ختم النبوة" (۱۳۱۷ھ) میں اس مطلب ایمانی پر صحاح وسنن ومسانید ومعاجیم وجوامع سے ایک سو بیس حدیثیں اور تکفیر منکر کہ ارشادات ائمہ وعلمائے قدیم وحدیث وکتب عقائد واصول فقہ وحدیث سے تیس نصوص ذکر کیے، وللہ الحمد.

تو یہاں عموم واستغراق کا انکار خواہ کسی تاویل وتبدیل کا اظہار نہیں کر سکتا مگر کھلا کافر، خدا کا دشمن، قرآن کا منکر، مردود وملعون، خائب وخاسر، والعیاذ باللہ العزیز القادر، ایسی تشکیکیں تو وہ اشقیا، رب العلمین میں بھی کر سکتے ہیں کہ جائز ہے لام عہد کے لیے ہو یا استغراق عرفی کے لیے یا عام مخصوص منہ البعض یا عالمین سے مراد عالمی زمانہ، کقولہ تعالیٰ: وَاَنِّیْ فَضَّلْتُکُمْ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ. اور سب کچھ سہی پھر عام قطعی تو نہیں خدا کا پروردگار جمیع عالم ہونا یقینی کہاں مگر الحمد للہ مسلمان نہ ان ملعون ناپاک وساوس کو رب العالمین میں سنیں، نہ ان خبیث گندے وساوس کو خاتم النبیین میں، " اَلَا لَعْنَۃُ اللّٰہِ عَلَی الظّٰلِمِیْنَ "، " اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰہَ وَ رَسُوْلَہٗ لَعَنَہُمُ اللّٰہُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ وَاَعَدَّ لَہُمْ عَذَابًا مُّہِیْنًا " (فتاوی رضویہ ۲۷/۲۲، ۲۸)

اہل قبلہ کسے کہتے ہیں؟ کیا ان کی تکفیر جائز ہے؟

اس مقام پر ایک شبہہ وارد کیا جاتا ہے کہ امام اعظم رحمہ اللہ تعالی کا مذہب ہے کہ "لا نكفر أحدا من أهل القبلة." ہم اہل قبلہ میں سے کسی کو کافر نہیں کہتے۔

(منح الروض الأزہر شرح الفقہ الأکبر، عدم جواز تکفیر اہل القبلہ، ص:۴۲۹)

اور حدیث میں ہے:

"من صلى صلاتنا واستقبل قبلتنا وأكل ذبيحتنا فذلك مسلم."

جو ہماری سی نماز پڑھے اور ہمارے قبلہ کو منہ کرے اور ہمارا ذبیحہ کھائے وہ مسلمان ہے۔(صحیح البخاری: کتاب الصلاۃ، باب فضل استقبال القبلۃ، ۵۶/۱)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل قبلہ کی تکفیر جائز نہیں ، امام اعظم کے اس ارشاد پاک اور حضور اقدس سید عالم ﷺ کے اس فرمان کا کیا معنی ہے ؟ اہل قبلہ سے کیا مراد ہے ؟ کیا اسلام محض کلمہ گوئی کا نام ہے ؟ حدیث پاک میں فرمایا:

"مَنْ قَالَ لَاْ اِلٰهَ اِلّا اللهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ." "جس نے لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کہ لیا جنت میں جائے گا۔

کیا کلمہ "لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ " پڑھنے والا اس کلمہ کے کہنے کے بعد کسی قول کفر یا فعل کفر کے سبب اسلام سے خارج اور کافر نہ ہوگا اور اس کے بعد دین اسلام کی کسی ضروری بات پر ایمان ضروری نہیں ؟

امام اہل سنت مجدد دین وملت سیدنا اعلی حضرت قدس سرہ فرماتے ہیں:

"مسلمانو! ذرا ہوشیار خبر دار، اس مکر ملعون کا حاصل یہ ہے کہ زبان سے لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کہ لینا گویا خدا کا بیٹا بن جانا ہے، آدمی کا بیٹا اگر اسے گالیاں دے، جوتیاں مارے، کچھ کرے اس کے بیٹے ہونے سے نہیں نکل سکتا، یوں ہی جس نے لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کہ لیا اب وہ چاہے خدا کو جھوٹا کذّاب کہے، چاہے رسول کو سڑی سڑی گالیاں دے، اس کا اسلام نہیں بدل سکتا۔

اس مکر کا جواب اسی آیت کریمہ: " اَحَسِبَ النَّاسُ " میں گزرا، "کیا لوگ اس گھمنڈ میں ہیں کہ نرے ادعائے اسلام پر چھوڑ دیے جائیں گے اور امتحان نہ ہوگا۔"

اسلام اگر فقط کلمہ گوئی کا نام تھا تو وہ بے شک حاصل تھی پھر لوگوں کا گھمنڈ کیوں غلط تھا جسے قرآن عظیم رد فرما رہا ہے۔

نیز تمھارا رب عزوجل فرماتا ہے:

" قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَ لٰكِنْ قُوْلُوْۤا اَسْلَمْنَا وَ لَمَّا يَدْخُلِ

الْاِیْمَانُ فِیْ قُلُوْبِکُمْ ."

"یہ گنوار کہتے ہیں ہم ایمان لائے۔ تم فرمادو ایمان تو تم نہ لائے ہاں یوں کہو کہ ہم مطیع الاسلام ہوئے اور ایمان ابھی تمھارے دلوں میں کہاں داخل ہوا۔"

اور فرماتا ہے:

" اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ وَ اللّٰهُ یَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ وَ اللّٰهُ یَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ لَكٰذِبُوْنَ (۱) "(القرآن الکریم ۶۳/۱)

"منافقین جب تمھارے حضور ہوتے ہیں، کہتے ہیں ہم گواہی دیتے ہیں کہ بے شک حضور یقیناً خدا کے رسول ہیں اور اللہ خوب جانتا ہے کہ بے شک تم ضرور اس کے رسول ہو اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ بے شک یہ منافق ضرور جھوٹے ہیں۔"

دیکھو کیسی لمبی چوڑی کلمہ گوئی، کیسی کیسی تاکیدوں سے مؤکد، کیسی کیسی قسموں سے مؤید ہرگز موجب اسلام نہ ہوئی اور اللہ واحد قہار نے ان کے جھوٹے کذاب ہونے کی گواہی دی تو "من قال لا إله إلا الله دخل الجنة" کا یہ مطلب گڑھنا صراحۃً قرآن عظیم کا رد کرنا ہے۔ ہاں **جو کلمہ پڑھتا، اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہو اسے مسلمان جانیں گے جب تک اس سے کوئی کلمہ، کوئی حرکت، کوئی فعل منافی اسلام صادر نہ ہو، بعد صدور منافی ہرگز کلمہ گوئی کام نہ دے گی۔**

تمھارا رب عزوجل فرماتا ہے:

"یَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا وَ لَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ ."

(القرآن الکریم ۹/۷۴)

"خدا کی قسم کھاتے ہیں کہ انھوں نے نبی کی شان میں گستاخی نہ کی اور البتہ، بے شک وہ یہ کفر کا بول، بولے اور مسلمان ہو کر کافر ہو گئے۔"

ابن جریر و طبرانی و ابوالشیخ وابن مردویہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے

روایت کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک پیڑ کے سایہ میں تشریف فرما تھے ارشاد فرمایا: عنقریب ایک شخص آئے گا تمہیں شیطان کی آنکھوں سے دیکھے گا وہ آئے تو اس سے بات نہ کرنا۔ کچھ دیر نہ ہوئی تھی کہ ایک کرنجی آنکھوں والا سامنے سے گزرا، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسے بلاکر فرمایا: "تو اور تیرے رفیق کس بات پر میری شان میں گستاخی کے لفظ بولتے ہیں؟" وہ گیا اور اپنے رفیقوں کو بلالایا۔ سب نے آکر قسمیں کھائیں کہ ہم نے کوئی کلمہ حضور کی شان میں بے ادبی کا نہ کہا، اس پر اللہ و عزجل نے یہ آیت اتاری کہ خدا کی قسم کھاتے ہیں کہ انہوں نے گستاخی نہ کی اور بے شک ضرور، یہ کفر کا کلمہ بولے اور تیری شان میں بے ادبی کر کے اسلام کے بعد کافر ہوگئے۔ (الدر المنثور بحوالہ ابن جریر والطبرانی وابن مردویہ تحت آیۃ ۹/۷۴ داراحیاء التراث العربی بیروت، ۴/۲۱۹)

اور فرماتا ہے:

"وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ ؕ قُلْ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ (۶۵) لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ." (القرآن الکریم ۹/۶۵و۶۶)

"اور اگر تم ان سے پوچھو تو بے شک ضرور کہیں گے کہ ہم تو یوں ہی ہنسی کھیل میں تھے تم فرمادو کیا اللہ اور اس کی آیتوں اور اس کے رسول سے ٹھٹھا کرتے تھے؟ بہانے نہ بناؤ تم کافر ہوچکے اپنے ایمان کے بعد۔"

ابن ابی شیبہ وابن ابی جریر و ابن المنذر وابن حاتم الشیخ امام مجاہد تلمیذ خاص سید نا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت فرماتے ہیں:

"انه قال فی قوله تعالى: "وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ" قال رجل من المنافقين: يحدّثنا محمد ان ناقة فلان بوادی كذا وكذا وما يدر يه بالغيب."

یعنی کسی کی اونٹنی گم ہوگئی، اس کی تلاش تھی، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اونٹنی فلاں جنگل میں فلاں جگہ ہے اس پر ایک منافق بولا: ”محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) بتاتے ہیں کہ اونٹنی فلاں جگہ ہے، محمد غیب کیا جانیں؟“ اس پر **اللہ عزوجل نے یہ آیت کریمہ اتاری کہ کیا اللہ و رسول سے ٹھٹھا کرتے ہو، بہانے نہ بناؤ، تم مسلمان کہلا کر اس لفظ کے کہنے سے کافر ہوگئے**۔ (دیکھو تفسیر امام ابن جریر مطبع مصر جلد دہم صفحہ ۱۰۵ و تفسیر در منثور، امام جلال الدین سیوطی جلد سوم صفحہ ۲۵۴)

مسلمانو! دیکھو محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں اتنی گستاخی کرنے سے کہ وہ غیب کیا جانیں، کلمہ گوئی کام نہ آئی اور اللہ تعالیٰ (عزوجل) نے صاف فرمادیا کہ بہانے نہ بناؤ، تم اسلام کے بعد کافر ہوگئے۔ یہاں سے وہ حضرات بھی سبق لیں جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علوم غیب سے مطلقاً منکر ہیں۔ دیکھو یہ قول منافق کا ہے اور اس کے قائل کو اللہ تعالیٰ نے اللہ و قرآن و رسول سے ٹھٹھا کرنے والا بتایا اور صاف صاف کافر مرتد ٹھہرایا اور کیوں نہ ہو، غیب کی بات جاننی شان نبوت ہے جیسا کہ امام حجۃ الاسلام محمد غزالی و احمد قسطلانی و مولانا علی قاری و علامہ محمد زرقانی وغیرہم اکابر نے تصریح فرمائی جس کی تفصیل رسائل علم غیب میں بفضلہ تعالیٰ بروجہ اعلیٰ مذکور ہوئی پھر اس کی سخت شامت کمال ضلالت کا کیا پوچھنا جو غیب کی ایک بات بھی، خدا کے بتائے سے بھی، نبی کو معلوم ہونا محال و ناممکن بتاتا ہے۔

اس کے نزدیک اللہ سے سب چیزیں غائب ہیں اور اللہ کو اتنی قدرت نہیں کہ کسی کو ایک غیب کا علم دے سکے، اللہ تعالیٰ شیطان کے دھوکوں سے پناہ دے۔ آمین۔ ہاں **بے خدا کے بتائے، کسی کو ذرہ بھر کا علم ماننا، ضرور کفر ہے** اور جمیع معلومات الٰہیہ کو علم مخلوق کا محیط ہونا بھی باطل اور اکثر علما کے خلاف ہے۔

لیکن روز اول سے روز آخر تک کا ماکان و ما یکون، اللہ تعالیٰ کے معلومات سے وہ نسبت بھی نہیں رکھتا جو ایک ذرے کے لاکھویں، کروڑویں حصے برابر، تری کو، کروڑ ہا کروڑ سمندروں

سے ہو بلکہ یہ خود علوم محمدیہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا ہے۔" (فتاوی رضویہ، ۱۸/ ۳۰۲، رسالہ تمہید ایمان بآیات قرآن، امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی شریف)

گذشتہ سطور میں غور وفکر کرنے سے یہ حقیقت روز روشن سے زیادہ عیاں ہو جاتی ہے کہ **دین اسلام کی تمام ضروری باتوں پر ایمان لانے کے بعد دین کی کسی ایک ضروری بات کا انکار کرنے سے منکر ایمان واسلام سے خارج ہو کر کافر و مرتد ہو جاتا ہے ایمان سے اس کا رشتہ یکسر منقطع ہو جاتا ہے، اس لیے کہ ایمان واسلام میں داخل ہونے کے لیے دین اسلام کی تمام ضروری باتوں کا اعتقاد لازم ہے دین اسلام کے ایک ضروری امر کے انکار کے ساتھ تمام ضروریات دین پر ایمان اور ان کا اعتقاد کہاں رہا،** اس لیے حدیث پاک: "من قال لا إله إلا الله دخل الجنة" کا ہرگز یہ معنی نہیں کہ "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ" کی تصدیق کے بعد انسان ہزارہا کفریات کا ارتکاب کرے اور ان کا اعتقاد رکھے اور منافیِ اسلام کفری حرکات وافعال کرے وہ صاحب ایمان رہے گا ایمان واسلام سے اس کا رشتہ منقطع نہ ہوگا ورنہ گذشتہ آیات کا کوئی معنی نہ رہے گا۔

اس سے حضور اقدس سید عالم ﷺ کے ارشاد پاک: "من صلی صلاتنا واستقبل قبلتنا وأكل ذبيحتنا فذالك مسلم." "جو ہماری سی نماز پڑھے اور ہمارے قبلہ کو منھ کرے اور ہمارا ذبیحہ کھائے وہ مسلمان ہے۔" اور امام اعظم رحمۃ اللہ تعالی علیہ کے ارشاد پاک: "لا نكفر أحدا من أهل القبلة" "ہم اہل قبلہ میں سے کسی کی تکفیر نہیں کرتے۔ کا معنی روشن ہو گیا کہ جب "لا إله إلا الله" کی تصدیق قلبی کے ساتھ دین کے کسی ایک ضروری امر کا انکار منکر کو ایمان واسلام سے خارج کر کے کافر و مرتد بنا دیتا ہے وہ صاحب ایمان نہیں رہتا ہے تو دین کے کسی ایک ضروری امر کے انکار کے ساتھ محض قبلہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے اور ہمارا ذبیحہ کھانے سے کہاں مسلمان رہے گا۔ اس لیے کہ مسلمان ہونے کے لیے دین اسلام کی تمام ضروری باتوں کی تصدیق ضروری ہے، محض قبلہ کی طرف نماز پڑھنے اور ہمارا ذبیحہ کھانے

سے ایمان واسلام میں داخل نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ حضور اقدس سید عالم ﷺ اپنے رب کے پاس سے جو کچھ لائے ان سب میں آپ کی تصدیق کرنا اور سچے دل سے آپ کی ایک ایک بات پر یقین لانا ایمان ہے۔ اور ان میں سے کسی بات کا جھٹلانا اور اس میں ادنی شک لانا کفر ہے۔

سیدنا اعلی حضرت امام احمد رضا قدس سرہ فرماتے ہیں:

"مسلمانو! اس مکر خبیث میں ان لوگوں نے نری کلمہ گوئی سے عدول کر کے صرف قبلہ روئی کا نام ایمان رکھ دیا یعنی جو قبلہ رو ہو کر نماز پڑھ لے، مسلمان ہے اگرچہ اللہ عزوجل کو جھوٹا کہے، محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کو گالیاں دے، کسی صورت، کسی طرح ایمان نہیں ٹلتا ع

چوں وضوئے محکم بی بی تمیز

اولاً: اس مکر کا جواب:

تمھارا رب عزوجل فرماتا ہے:

"لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ وَ لٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ الْمَلٰٓئِكَةِ وَ الْكِتٰبِ وَ النَّبِيّٖنَ ۚ". (القرآن الکریم ۲/۱۷۷)

"اصل نیکی یہ نہیں کہ اپنا منہ نماز میں پورب یا پچھاں کو کرو بلکہ اصل نیکی یہ ہے کہ جو اللہ، پچھلے دن، فرشتوں، کتاب اور انبیا پر ایمان لائے۔

دیکھو صاف فرمادیا کہ **ضروریات دین پر ایمان لانا ہی اصل کار ہے بغیر اس کے نماز میں قبلہ کو منہ کرنا کوئی چیز نہیں۔**

اور فرماتا ہے:

"وَ مَا مَنَعَهُمْ اَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ اِلَّاۤ اَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَ بِرَسُوْلِهٖ وَ لَا يَاْتُوْنَ الصَّلٰوةَ اِلَّا وَ هُمْ كُسَالٰى وَ لَا يُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَ هُمْ كٰرِهُوْنَ". (القرآن الکریم ۹/۵۴)

"اور وہ جو خرچ کرتے ہیں اس کا قبول ہونا بند نہ ہوا مگر اس لیے کہ انھوں نے

اللہ و رسول کے ساتھ کفر کیا اور نماز کو نہیں آتے مگر جی ہارے اور خرچ نہیں کرتے مگر برے دل سے۔"

دیکھو ان کا نماز پڑھنا بیان کیا اور پھر انہیں کافر فرمایا، کیا وہ قبلہ کو نماز نہیں پڑھتے تھے؟ فقط قبلہ کیسا، قبلہ دل و جاں، کعبہ دین و ایمان، سرور عالمیان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیچھے جانب قبلہ نماز پڑھتے تھے۔

اور فرماتا ہے:

"فَاِنْ تَابُوْا وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِی الدِّیْنِ وَ نُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ (۱۱) وَ اِنْ نَّكَثُوْۤا اَیْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَ طَعَنُوْا فِیْ دِیْنِكُمْ فَقَاتِلُوْۤا اَىِٕمَّةَ الْكُفْرِ اِنَّهُمْ لَاۤ اَیْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ یَنْتَهُوْنَ (۱۲)". (القرآن الکریم ۹/۱۱،۱۲)

"پھر اگر وہ توبہ کریں اور نماز برپا رکھیں اور زکوٰۃ دیں تو وہ تمھارے دینی بھائی ہیں اور ہم پتے کی باتیں صاف بیان کرتے ہیں علم والوں کے لیے اور اگر قول و قرار کرکے پھر اپنی قسمیں توڑیں اور تمھارے دین پر طعن کریں تو کفر کے پیشواؤں سے لڑو، بے شک ان کی قسمیں کچھ نہیں شاید وہ باز آئیں۔"

دیکھو نماز، زکوٰۃ والے اگر دین پر طعنہ کریں تو انہیں کفر کا پیشوا، کافروں کا سرغنہ فرمایا۔ کیا خدا اور رسول کی شان میں وہ گستاخیاں دین پر طعنہ نہیں، اس کا بیان بھی سنیے:

تمھارا رب عزوجل فرماتا ہے:

"مِنَ الَّذِیْنَ هَادُوْا یُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَ یَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا وَ عَصَیْنَا وَ اسْمَعْ غَیْرَ مُسْمَعٍ وَّ رَاعِنَا لَیًّۢا بِاَلْسِنَتِهِمْ وَ طَعْنًا فِی الدِّیْنِ وَ لَوْ اَنَّهُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا وَ اسْمَعْ وَ انْظُرْنَا لَكَانَ خَیْرًا لَّهُمْ وَ اَقْوَمَ وَ لٰكِنْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا یُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِیْلًا (۴۶)". (القرآن الکریم ۴/۴۶)

"کچھ یہودی بات کو اس کی جگہ سے بدلتے ہیں اور کہتے ہیں ہم نے سنا اور نہ مانا اور

سنیے آپ سنائے نہ جائیں اور ''راعنا'' کہتے ہیں زبان پھیر کر اور دین میں طعنہ کرنے کو اور اگر وہ کہتے ہم نے سنا اور مانا اور سنیے اور مہلت دیجیے تو ان کے لیے بہتر اور بہت ٹھیک ہوتا لیکن ان کے کفر کے سبب اللہ نے ان پر لعنت کی ہے تو ایمان نہیں لاتے مگر کم۔''

کچھ یہودی جب دربار نبوت میں حاضر آتے اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کچھ عرض کرنا چاہتے تو یوں کہتے سنیے، آپ سنائے نہ جائیں، جس سے ظاہر تو دعا ہوتی یعنی حضور کو کوئی ناگوار بات نہ سنائے اور دل میں بددعا کا ارادہ کرتے کہ سنائی نہ دے اور جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کچھ ارشاد فرماتے اور یہ بات سمجھ لینے کے لیے مہلت چاہتے تو ''راعنا'' کہتے **جس کا ایک پہلوئے ظاہر یہ کہ ہماری رعایت فرمائیں اور مراد خفی رکھتے، یعنی رعونت والا، اور بعض زبان دبا کر ''راعینا'' کہتے یعنی ہمارا چرواہا۔ جب پہلودار بات دین میں طعنہ ہوئی، تو صریح وصاف کتنا سخت طعنہ ہوگی** بلکہ انصاف کیجیے تو ان باتوں کا صریح بھی ان کلمات کی شناعت کو نہ پہنچتا۔ بہرا ہونے کی دعا یا رعونت یا بکریاں چرانے کی طرف نسبت کو ان الفاظ سے کیا نسبت کہ شیطان سے علم میں کمتر یا پاگلوں چوپایوں سے علم میں ہمسر اور خدا کی نسبت وہ کہ جھوٹا ہے، جھوٹ بولتا ہے جو اسے جھوٹا بتائے مسلمان سنی صالح ہے، والعیاذ باللہ رب العالمین۔ (فتاوی رضویہ، کتاب العقائد والکلام، ۱۸/۳۰۴، ۳۰۵، امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی شریف)

رہا امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ارشاد پاک: لا نكفر أحدا من أهل القبلة'' ہم اہل قبلہ میں سے کسی کو کافر نہیں کہتے، یہاں **اہل قبلہ سے کیا مراد ہے**؟ کیا ضروریات دین میں سے کسی ایک ضروری دینی کے انکار کے ساتھ اہل قبلہ رہتا ہے اور اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی یا اہل قبلہ نہیں رہتا اس کی تحقیق و تفصیل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''ثانیاً: اس وہم شنیع کو مذہب سیدنا امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتانا حضرت امام پر سخت افترا واتہام جب کہ امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے عقائد کریمہ کی کتاب مطہر ''فقہ اکبر'' میں

فرماتے ہیں:

”صفاته تعالیٰ فی الأزل غیرمحدثة ولامخلوقة فمن قال: إنها مخلوقة أو محدثة أو وقف فیها أو شك فیها فهوکافر بالله تعالیٰ.“ (الفقه الأکبر ملك سراج الدین اینڈ سنز کشمیری بازار، لاهور، ص:٥)

”اللہ تعالیٰ کی صفتیں قدیم ہیں نہ نوپیدا ہیں نہ کسی کی بنائی ہوئی تو جو انہیں مخلوق یا حادث کہے یا اس باب میں توقف کرے یا شک لائے وہ کافر ہے اور خدا کا منکر۔“

نیز امام ہمام رضی اللہ تعالیٰ عنہ ”کتاب الوصیۃ“ میں فرماتے ہیں:

”من قال بأن کلام الله تعالیٰ مخلوق فهو کافر بالله العظیم.“(کتاب الوصیۃ، فصل نقر بان اللہ تعالیٰ علی العرش استوی الخ، ص:٢٨)

”جو شخص کلام اللہ کو مخلوق کہے اس نے عظمت والے خدا کے ساتھ کفر کیا۔“

”شرح فقہ اکبر“ میں ہے:

”قال فخر الاسلام: قدصح عن أبی یوسف انه قال: ناظرت أبا حنیفة فی مسئلة خلق القرٰان فا تفق رأیی ورأیه علٰی ان من قال بخلق القرٰان فهو کافروصح هٰذا القول أیضًاعن محمد رحمه الله تعالی.“ (منح الروض الازہر شرح الفقہ الاکبر القرآن کلام اللہ غیر مخلوق دار البشائر الاسلامیہ بیروت ص٩٥)

”امام فخر الاسلام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: امام یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے صحت کے ساتھ ثابت ہے کہ انھوں نے فرمایا: میں نے امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مسئلہ خلق قرآن میں مناظرہ کیا، میری اور ان کی رائے اس پر متفق ہوئی کہ جو قرآن مجید کو مخلوق کہے وہ کافر ہے اور یہ قول امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ سے بھی بصحت ثبوت کو پہنچا۔“

یعنی ہمارے ائمہ ثلاثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا اجماع و اتفاق ہے کہ قرآن عظیم کو مخلوق کہنے والا کافر ہے۔ کیا معتزلہ و کرامیہ و روافض کہ قرآن کو مخلوق کہتے ہیں اس قبلہ کی طرف نماز

نہیں پڑھتے، نفس مسئلہ کا جزئیہ لیجیے۔

امام مذہب حنفی سیدنا امام ابو یوسف رضی اللہ تعالیٰ عنہ "کتاب الخراج" میں فرماتے ہیں:

"إيما رجل مسلم سبَّ رسول الله أو كذَّبه أو عابه أو تنقصه فقدكفر بالله تعالىٰ و بانت منه زوجته." (کتاب الخراج للامام ابی یوسف فصل فی الحکم فی المرتدعن الاِسلام دار المعرفۃ بیروت، ص:۱۸۲)

"جو شخص مسلمان ہوکر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دشنام دے یا حضور کی طرف جھوٹ کی نسبت کرے یا حضور کو کسی طرح کا عیب لگائے یا کسی وجہ سے حضور کی شان گھٹائے وہ یقیناً کافر اور خدا کا منکر ہوگیا اور اس کی جورو اس کے نکاح سے نکل گئی۔"

دیکھو کیسی صاف تصریح ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تنقیص شان کرنے سے مسلمان کافر ہوجاتا ہے، اس کی جورو نکاح سے نکل جاتی ہے۔ کیا مسلمان اہل قبلہ نہیں ہوتا یا اہل کلمہ نہیں ہوتا مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کے ساتھ نہ قبلہ قبول نہ کلمہ مقبول، والعیاذ باللہ رب العالمین۔

اصطلاح ائمہ میں اہل قبلہ

اس کے بعد اہل قبلہ کون ہیں؟ اس کی تحقیق انیق کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں:

ثالثاً: اصل بات یہ ہے کہ **اصطلاح ائمہ میں اہل قبلہ وہ ہے کہ تمام ضروریات دین پر ایمان رکھتا ہو، ان میں سے ایک بات کا بھی منکر ہو تو قطعاً یقیناً اجماعاً کافر مرتد ہے ایسا کہ جو اسے کافر نہ کہے خود کافر ہے۔**

شفا شریف و بزازیہ و درر و غرر و فتاوٰی خیریہ وغیرہا میں ہے:

"اجمع المسلمون أن شاتمه صلى الله تعالى عليه وسلم كافر ومن شكَّ فى عذابه وكفره كفر."

(الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ القسم الرابع الباب الاول المطبعۃ الشرکۃ الصحافیۃ ۲/۲۰۸)
(الفتاوی الخیریۃ باب المرتدین دار المعرفۃ بیروت ۱/۱۰۳)

"تمام مسلمانوں کا اجماع ہے کہ جو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان پاک میں گستاخی کرے وہ کافر ہے اور جو اس کے معذب یا کافر ہونے میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔"

مجمع الانہر و در مختار میں ہے:

"واللفظ له الكافر بسب نبي من الأنبياء لا تقبل توبته مطلقًا و من شك في عذابهٖ و كفرهٖ كفر." (الدر المختار کتاب الجہاد باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۵۶)
(مجمع الانہر کتاب فصل فی احکام الجزیۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/۶۷۷)

"جو کسی نبی کی شان میں گستاخی کے سبب کافر ہوا اس کی توبہ کسی طرح قبول نہیں اور جو اس کے عذاب یا کفر میں شک کرے خود کافر ہے۔

الحمد للہ! یہ نفیس مسئلہ کا وہ گراں بہا جزئیہ ہے جس میں ان بدگویوں کے کفر پر اجماع تمام امت کی تصریح ہے اور یہ بھی کہ جو انہیں کافر نہ جانے خود کافر ہے۔

"شرح فقہ اکبر" میں ہے:

"في المواقف: لا يكفر أهل القبلة إلا فيما فيه إنكار ما علم مجيئه بالضرورة أو المجمع عليه كاستحلال المحرمات اھ ولا يخفى أن المراد بقول علمائنا: لا يجوز تكفير أهل القبلة بذنب ليس مجرد التوجه إلىٰ القبلة فإن الغلاة من الروافض الذين يدعون أن جبريل عليه الصلٰوة والسلام غلط في الوحي فإن الله تعالىٰ أرسله إلىٰ علي رضي الله تعالىٰ عنه و بعضهم قالوا: إنه إلٰه وإن صلوا إلىٰ القبلة ليسوا بمؤمنين. وهٰذا هو المراد بقولهٖ: "من صلى صلٰوتنا واستقبل قبلتنا وأكل ذبيحتنا فذٰلك مسلم"، اھ مختصراً. (منح الروض الأزهر شرح الفقه الأكبر مطلب في إيراد الألفاظ

المکفرۃ إلخ، دار البشائر إسلامیة، بیروت، ص٤٤٦، ٤٤٧)

یعنی مواقف میں ہے کہ اہل قبلہ کو کافر نہ کہا جاوے گا مگر جب ضروریات دین یا اجماعی باتوں سے کسی بات کا انکار کریں جیسے حرام کو حلال جاننا اور مخفی نہیں کہ ہمارے علما جو فرماتے ہیں کہ کسی گناہ کے باعث اہل قبلہ کی تکفیر روا نہیں اس سے نرا قبلہ کو منہ کرنا مراد نہیں کہ غالی رافضی جو بکتے ہیں کہ جبریل علیہ السلام کو وحی میں دھوکا ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں علی کرم اللہ وجہہ کی طرف بھیجا تھا اور بعض تو مولیٰ علی کو خدا کہتے ہیں یہ لوگ اگرچہ قبلہ کی طرف نماز پڑھیں، مسلمان نہیں اور اس حدیث کی بھی یہی مراد ہے جس میں فرمایا کہ جو ہماری سی نماز پڑھے اور ہمارے قبلہ کو منہ کرے اور ہمارا ذبیحہ کھائے وہ مسلمان ہے۔

یعنی جب کہ تمام ضروریات دین پر ایمان رکھتا ہو اور کوئی بات منافی ایمان نہ کرے۔

اسی میں ہے:

”اعلم أن المراد بأهل القبلة الذين اتفقوا علىٰ ماهو من ضروريات الدين كحدوث العالم وحشر ا لأجساد وعلم الله تعالىٰ بالكليات والجزئيات وما أشبه ذٰلك من المسائل المهمات فمن واظب طول عمرهٖ علىٰ الطاعات والعبادات مع اعتقاد قدم العالم أو نفى الحشر أو نفى علمهٖ سبحٰنه بالجزئيات لايكون من أهل القبلة وان المراد بعدم تكفير أحد من أهل القبلة عند أهل السنة أنه لايكفر مالم يوجد شيئ من أمارات الكفر وعلاماتهٖ ولم يصدر عنه شيئ من موجباتهٖ .“ (منح الروض الازہر شرح الفقہ الاکبر عدم جواز تکفیر اہل القبلۃ دار البشائر اسلامیہ بیروت ص۴۲۹)

یعنی جان لو کہ **اہل قبلہ سے مراد وہ لوگ ہیں جو تمام ضروریات دین میں موافق ہیں** جیسے عالم کا حادث ہونا، اجسام کا حشر ہونا، اللہ تعالیٰ کا علم تمام کلیات و جزئیات کو محیط ہونا اور جو مہم مسئلے ان کی مانند ہیں، تو جو تمام عمر طاعتوں اور عبادتوں میں رہے اس کے

ساتھ یہ اعتقاد رکھتا ہو کہ عالم قدیم ہے یا حشر نہ ہوگا یا اللہ تعالیٰ جزئیات کو نہیں جانتا وہ اہل قبلہ سے نہیں اور **اہل سنت کے نزدیک اہل قبلہ سے کسی کو کافر نہ کہنے سے یہ مراد ہے کہ اسے کافر نہ کہیں گے جب تک اس میں کفر کی کوئی علامت و نشانی نہ پائی جائے اور کوئی بات موجب کفر اس سے صادر نہ ہو۔**

امام اجل سیدی عبد العزیز بن احمد بن محمد بخاری حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ "تحقیق شرح اصول حسامی" میں فرماتے ہیں:

"إن غلافيه (اى فى هواه) حتّٰى وجب إكفاره به لا يعتبر خلافه ووفاقه أيضاً لعدم دخوله فى مسمّٰى الأمة المشهود لها بالعصمة وإن صلّٰى إلى القبلة واعتقد نفسه مسلمًا لأن الأمة ليست عبارةً من المصلين إلى القبلة بل عن المؤمنين وهو كافر وإن كان لا يدرى أنه كافر." (التحقیق شرح السامی باب الاجماع نولکشور لکھنؤ ص ۲۰۸)

یعنی بدمذہب اگر اپنی بدمذہبی میں غالی ہو جس کے سبب اسے کافر کہنا واجب ہو تو اجماع میں اس کی مخالفت و موافقت کا کچھ اعتبار نہ ہوگا کہ خطا سے معصوم ہونے کی شہادت تو امت کے لیے آئی ہے اور وہ امت ہی سے نہیں اگرچہ قبلہ کی طرف نماز پڑھتا اور اپنے آپ کو مسلمان اعتقاد کرتا ہو، اس لیے کہ امت قبلہ کی طرف نماز پڑھنے والوں کا نام نہیں بلکہ مسلمان کا نام ہے اور یہ شخص کافر ہے اگرچہ اپنی جان کو کافر نہ جانے۔

"ردالمحتار" میں ہے:

"لا خلاف فى كفر المخالف فى ضروريات الإسلام وإن كان من أهل القبلة المواظب طول عمره على الطاعات كما فى شرح التحرير."

(ردالمحتار کتاب الصلوٰۃ باب الامامۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۳۷۷)

یعنی ضروریات اسلام سے کسی چیز میں خلاف کرنے والا بالاجماع کافر ہے اگرچہ اہل

قبلہ سے ہو اور عمر بھر طاعات میں بسر کرے جیسا کہ شرح تحریر میں امام بن الہمام نے فرمایا۔

کتب عقائد و فقہ و اصول ان تصریحات سے مالا مال ہیں۔

رابعًا: خود مسئلہ بدیہی ہے کیا جو شخص پانچ وقت قبلہ کی طرف نماز پڑھتا اور ایک وقت مہادیو کو سجدہ کر لیتا ہو، کسی عاقل کے نزدیک مسلمان ہو سکتا ہے حالاں کہ اللہ کو جھوٹا کہنا یا محمد رسول اللہ کی شان اقدس میں گستاخی کرنا، مہادیو کے سجدے سے کہیں بدتر ہے اگرچہ کفر ہونے میں برابر ہے۔ وذلك ان الكفر بعضه أخبث من بعضٍ (اور یہ اس لیے کہ بعض کفر بعض سے خبیث تر ہے) وجہ یہ کہ **بت کو سجدہ علامت تکذیب خدا ہے اور علامت، تکذیب میں تکذیب کے برابر نہیں ہو سکتی اور سجدہ میں یہ احتمال بھی نکل سکتا ہے کہ محض تحیت و مجرا مقصود ہو نہ عبادت۔ اور محض تحیت فی نفسہٖ کفر نہیں** ولہذا اگر مثلاً کسی عالم یا عارف کو تحیۃً سجدہ کرے، گنہگار ہوگا، کافر نہ ہوگا **امثال بت میں شرع نے مطلقاً حکم کفر بربنائے شعار خاص کفر رکھا ہے بخلاف بدگوئی حضور پرنور سید عالم، کہ فی نفسہٖ کفر ہے جس میں کوئی احتمال اسلام نہیں۔**

اور میں یہاں اس فرق پر بنا نہیں رکھتا کہ ساجد صنم کی توبہ باجماع امت مقبول ہے مگر سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے والے کی توبہ ہزار ہا ائمہ دین کے نزدیک اصلاً قبول نہیں اور اسی کو ہمارے علما حنفیہ سے امام بزازی و امام محقق علی الاطلاق ابن الہمام و علامہ مولیٰ خسرو صاحب درر و غرر و علامہ زین بن نجیم صاحب بحر الرائق و اشباہ و النظائر و علامہ عمر بن نجیم صاحب نہر الفائق و علامہ ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ غزی صاحب تنویر الابصار و علامہ خیر الدین رملی صاحب فتاوی خیریہ و علامہ شیخی زادہ صاحب مجمع الانھر و علامہ مدقق محمد بن علی حصکفی صاحب در مختار وغیرھم عمائد کبار علیہم رحمۃ اللہ العزیز الغفار نے اختیار فرمایا: بيد ان تحقيق المسئلة فى الفتاوى الرضويه (علاوہ ازیں مسئلہ کی تحقیق فتاوی رضویہ میں ہے۔ ت) اس لیے کہ عدم قبول توبہ صرف حاکم اسلام کے یہاں ہے کہ وہ اس معاملہ میں بعد توبہ بھی

سزائے موت دے ورنہ اگر توبہ صدق دل سے ہے تو عنداللہ مقبول ہے، کہیں یہ بدگو، اس مسئلہ کو دستاویز نہ بنالیں کہ آخر توبہ قبول نہیں پھر کیوں تائب ہوں، نہیں نہیں توبہ سے کفر مٹ جائے گا، مسلمان ہوجاؤ گے، جہنم ابدی سے نجات پاؤ گے، اس قدر پر اجماع ہے۔ کمافی رد المحتار وغیرہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم"(فتاوی رضویہ، ۳۰۶/۱۸تا۳۰۸، کتاب العقائد والکلام۔ تمہید ایمان بآیات قرآن، امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی شریف)

ایک شبہہ کا رد

اس مقام پر یہ **کہا جاتا ہے کہ فقہ میں لکھا ہے جس میں ننانوے باتیں کفر کی ہوں اور ایک بات اسلام کی تو اس کو کافر نہ کہنا چاہیے۔** آپ نے اس کا عادلانہ و محققانہ جائزہ لیتے ہوئے اور کلام فقہا کی تحقیق انیق کرتے ہوئے فرمایا:

"اولاً: یہ مکر خبیث سب مکروں سے بدتر و ضعیف جس کا حاصل یہ کہ جو شخص دن میں ایک بار اذان دے یا دو رکعت نماز پڑھ لے اور ننانوے بار بت پوجے، سنکھ پھونکے، گھنٹی بجائے وہ مسلمان ہے کہ اس میں ننانوے باتیں کفر کی ہیں تو ایک اسلام کی بھی ہے۔ یہی کافی ہے حالاں کہ مومن تو مومن کوئی عاقل اسے مسلمان نہیں کہہ سکتا۔

ثانیاً: اس کی رو سے سوادہریے کے کہ سرے سے خدا کے وجود ہی کا منکر ہو، تمام کافر، مشرک مجوس، ہنود و نصاری یہود وغیرہم دنیا بھر کے کفار سب کے سب مسلمان ٹھہر جاتے ہیں کہ اور باتوں کے منکر سہی آخر وجود خدا کے تو قائل ہیں۔ ایک یہی بات سب سے بڑھ کر اسلام کی بات بلکہ تمام اسلامی باتوں کی اصل الاصول ہے خصوصاً کفار فلاسفہ و آریہ وغیرہم کہ بزعم خود توحید کے بھی قائل ہیں اور یہود و نصارٰی تو بڑے بھاری مسلمان ٹھہریں گے کہ توحید کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے بہت سے کلاموں اور ہزاروں نبیوں اور قیامت و حشر و حساب و ثواب و عذاب و جنت و نار وغیرہ بکثرت اسلامی باتوں کے قائل ہیں۔

ثالثًا: اس کے رد میں قرآن عظیم کی وہ آیتیں کہ اوپر گزریں کافی وافی ہیں جن میں باوصفِ کلمہ گوئی و نماز خوانی صرف ایک ایک بات پر حکم تکفیر فرمادیا کہیں ارشاد ہوا:

"کَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ." (القرآن الکریم ۹/۷۴)

وہ مسلمان ہو کر (کفر کے) اس کلمے کے سبب کافر ہو گئے۔

کہیں فرمایا:

"لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ." (القرآن الکریم ۹/۶۶)

بہانے نہ بناؤ تم کافر ہو چکے ایمان کے بعد۔

حالاں کہ اس مکر خبیث کی بنا پر جب تک ۹۹ سے زیادہ کفر کی باتیں جمع نہ ہو جاتیں، صرف ایک کلمہ پر حکم کفر صحیح نہ تھا۔ ہاں شاید اس کا یہ جواب دیں کہ خدا کی غلطی یا جلد بازی تھی کہ اس نے دائرۂ اسلام کو تنگ کر دیا، کلمہ گویوں، اہل قبلہ کو دھکے دے دے کر، صرف ایک ایک لفظ پر، اسلام سے نکالا اور پھر زبردستی یہ کہ "لَا تَعْتَذِرُوْا" عذر بھی نہ کرنے دیا نہ عذر سننے کا قصد کیا۔ افسوس کہ خدا نے پیر نیچر یا ندویہ لکچریا ان کے ہم خیال کسی وسیع الاسلام ریفارمر سے مشورہ نہ لیا "اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ (۱۸)". (القرآن الکریم ۱۱/۱۸)

رابعًا: اس مکر کا جواب: تمھارا رب عزوجل فرماتا ہے:

"اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَ تَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ وَ مَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ (۸۵) اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ (۸۶)" (القرآن الکریم ۲/۸۵و۸۶)

تو کیا اللہ کے کلام کا کچھ حصہ مانتے ہو اور کچھ حصے سے منکر ہو تو جو کوئی تم میں سے ایسا کرے اس کا بدلہ نہیں مگر دنیا کی زندگی میں رسوائی اور قیامت کے دن سب سے زیادہ سخت عذاب کی طرف پلٹے جائیں گے اور اللہ تمھارے کوتکوں سے غافل نہیں یہی لوگ ہیں جنھوں

نے عقلیٰ بیچ کر دنیا خریدی تو ان پر سے کبھی عذاب ہلکا ہو نہ ان کو مدد پہنچے۔

کلام الٰہی میں فرض کیجیے اگر ہزار باتیں ہوں تو ان میں سے ہر ایک بات کا ماننا ایک اسلامی عقیدہ ہے۔ اب اگر کوئی شخص ۹۹۹ مانے اور صرف ایک نہ مانے تو قرآن عظیم فرمارہا ہے کہ وہ ان ۹۹۹ کے ماننے سے مسلمان نہیں بلکہ صرف اس ایک کے نہ ماننے سے کافر ہے، دنیا میں اس کی رسوائی ہوگی اور آخرت میں اس پر سخت تر عذاب جو ابدالآباد تک کبھی موقوف ہونا کیا معنی؟ ایک آن کو ہلکا بھی نہ کیا جائے گا نہ کہ ۹۹۹ کا انکار کرے اور ایک کو مان لے تو مسلمان ٹھہرے، یہ مسلمانوں کا عقیدہ نہیں بلکہ بشہادت قرآن عظیم خود صریح کفر ہے۔

خامساً: اصل بات یہ ہے کہ فقہائے کرام پر ان لوگوں نے جتنا افترا اٹھایا، انہوں نے ہرگز کہیں ایسا نہیں فرمایا بلکہ انہوں نے بہ خصلت یہود "یُحَرِّفُوْنَ الْکَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ" (القرآن الکریم ۴/۴۶) یہودی بات کو اس کے ٹھکانوں سے پھیرتے ہیں۔ تحریف تبدیل کر کے کچھ کا کچھ بنالیا،

فقہانے یہ نہیں فرمایا کہ جس شخص میں ننانوے باتیں کفر کی اور ایک اسلام کی ہو وہ مسلمان ہے۔ حاشا للّٰہ! بلکہ امت کا اجماع ہے کہ جس میں ننانوے ہزار باتیں اسلام کی اور ایک کفر کی ہو وہ یقیناً قطعاً کافر ہے۔ ۹۹ قطرے گلاب میں ایک بوند پیشاب کا پڑ جائے، سب پیشاب ہو جائے گا مگر یہ جاہل کہتے ہیں ننانوے قطرے پیشاب میں ایک بوند گلاب کا ڈال دو، سب طیب و طاہر ہو جائے گا۔ حاشا کہ فقہا تو فقہا کوئی ادنیٰ تمیز والا بھی ایسی جہالت بکے۔ بلکہ **فقہائے کرام نے یہ فرمایا ہے کہ "جس مسلمان سے کوئی لفظ ایسا صادر ہو جس میں سو پہلو نکل سکیں، ان میں ۹۹ پہلو کفر کی طرف جاتے ہوں اور ایک اسلام کی طرف تو جب تک ثابت نہ ہو جائے کہ اس نے خاص کوئی پہلو کفر کا مراد رکھا ہے، ہم اسے کافر نہ کہیں گے کہ آخر ایک پہلو اسلام بھی تو ہے، کیا معلوم شاید اس نے یہی پہلو مراد رکھا ہو" اور ساتھ ہی فرماتے ہیں کہ "اگر واقع میں اس کی مراد کوئی**

پہلوئے کفر ہے تو ہماری تاویل سے اسے فائدہ نہ ہوگا۔ وہ عنداللہ کافر ہی ہوگا۔" اس کی مثال یہ ہے کہ مثلاً زید کہے: "عمرو کو علم قطعی یقینی غیب کا ہے"۔ اس کلام میں اتنے پہلو ہیں:

(۱) عمرو اپنی ذات سے غیب دان ہے یہ صریح کفر و شرک ہے۔ "قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ ." (القرآن الکریم ۶۵/۲۷) تم فرماؤ غیب نہیں جانتے جو کوئی آسمانوں اور زمین میں ہیں مگر اللہ۔

(۲) عمرو آپ تو غیب دان نہیں مگر جو علم غیب رکھتے ہیں۔ ان کے بتائے سے اسے غیب کا علم یقینی ہو جاتا ہے، یہ بھی کفر ہے۔ "تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ اَنْ لَّوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوْا فِي الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ (۱۴)". (القرآن الکریم ۱۴/۳۴) جنوں کی حقیقت کھل گئی، اگر غیب جانتے ہوتے تو اس خواری کے عذاب میں نہ ہوتے۔

(۳) عمرو نجومی ہے۔

(۴) رمّال ہے۔

(۵) سامندرک جانتا، ہاتھ دیکھتا ہے۔

(۶) کوّے وغیرہ کی آواز،

(۷) حشرات الارض کے بدن پر گرنے،

(۸) کسی پرندے یا وحشی چرندے کے داہنے یا بائیں نکل کر جانے،

(۹) آنکھ یا دیگر اعضا کے پھڑکنے سے شگون لیتا ہے۔

(۱۰) پانسہ پھینکتا ہے۔

(۱۱) فال دیکھتا ہے۔

(۱۲) حاضرات سے کسی کو معمول بناکر اس سے احوال پوچھتا ہے۔

(۱۳) مسمریزم جانتا ہے۔

(۱۴) جادو کی میز،

(۱۵)روحوں کی تسخیر سے حال دریافت کرتا ہے۔

(۱۶)قیافہ دان ہے۔

(۱۷)علم زایرجہ سے واقف ہے ان ذرائع سے اسے غیب کا علم یقینی قطعی ملتا ہے، یہ سب بھی کفر ہیں۔(یعنی جب کہ ان کی وجہ سے غیب کے علم قطعی یقینی کا ادعا کیا جائے جیسا کہ نفس کلام میں مذکور ہے ۱۲منہ۔)

رسول اللہ فرماتے ہیں:

”من أتى عرافًا أو كاهنًا فصدّقه بما يقول فقد كفر بما أنزل على محمد صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، رواه أحمد والحاكم بسندٍ صحيح عن أبي هريرة رضى الله تعالىٰ عنه ولأحمد وأبي داؤد عنه رضى الله تعالى عنه فقد برئ مما نزل على محمد صلى الله تعالى عليه وسلم.“ (سنن ابی داود کتاب الکہانت والتطیر باب النھی عن اِتیان الکہانِ آفتاب عالم پریس لاہور ۱۸۹/۲- مسند احمد بن حنبل مسند ابی ہریرہ المکتب الاسلامی بیروت ۴۲۹/۲)

”جو شخص نجومی اور کاہن کے پاس جائے اور اس کے بیان کو سچا جانے تو اس نے اس کا انکار کیا جو محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔“

(۱۸)عمرو پر وحی رسالت آتی ہے اس کے سبب غیب کا علم یقینی پاتا ہے جس طرح رسولوں کو ملتا تھا، یہ اشد کفر ہے۔”وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ وَ كَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا(۴۰)“. (القرآن الکریم ۴۰/۳۳)ہاں(محمد)اللہ کے رسول ہیں اور سب نبیوں میں پچھلے ،اور اللہ سب کچھ جانتا ہے۔

(۱۹)وحی تو نہیں آتی مگر بذریعۂ الہام جمیع غیوب اس پر منکشف ہو گئے ہیں، اس کا علم تمام معلومات الٰہی کو محیط ہو گیا۔ یہ یوں کفر ہے اس نے عمرو کو علم میں حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ترجیح دے دی کہ حضور کا علم بھی جمیع معلومات الٰہی کو محیط نہیں۔” قُلْ

هَلْ یَسْتَوِی الَّذِیْنَ یَعْلَمُوْنَ وَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ" (القرآن الکریم ۹/۳۹) تم فرماؤ کیا برابر ہیں جاننے والے اور انجان۔

"من قال فلان أعلم منه فقدعابه فحكمه حكم السَّابِّ." (نسیم الریاض فی شرح الشفاء الباب الاول، پوربندر، گجرات، الہند ۳۳۵/۴)

(۲۰) جمیع کا احاطہ نہ سہی مگر جو علوم غیب اسے الہام سے ملے ان میں ظاہراً یا طناً کسی طرح کسی رسول انس و ملک کی وساطت و تبعیت نہیں اللہ تعالیٰ نے بلاواسطۂ رسول اصالۃً اسے غیوب پر مطلع کیا، یہ بھی کفر ہے:

"وَ مَا کَانَ اللّٰهُ لِیُطْلِعَکُمْ عَلَی الْغَیْبِ وَ لٰکِنَّ اللّٰهَ یَجْتَبِیْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ یَّشَآءُ." (القرآن الکریم ۱۷۹/۳)

"اور اللہ کی شان یہ نہیں کہ اے عام لوگو تمہیں غیب کا علم دے دے ہاں اللہ چن لیتا ہے اپنے رسولوں سے جسے چاہے۔"

"عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖۤ اَحَدًا. اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ". (القرآن الکریم ۲۶۲۵/۷۲)

"غیب کا جاننے والا تو اپنے غیب پر کسی کو مسلط نہیں کرتا سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے۔"

(۲۱) عمرو کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے واسطہ سے سمعاً یا عیناً یا الہاماً بعض غیوب کا علم قطعی اللہ عزوجل نے دیا یا دیتا ہے، یہ احتمال (پہلو) خالص اسلام ہے تو محققین فقہا اس قائل کو کافر نہ کہیں گے اگرچہ اس کی بات کے اکیس پہلوؤں میں بیس کفر ہیں مگر ایک اسلام کا بھی ہے احتیاط و تحسین ظن کے سبب اس کا کلام اسی پہلو پر حمل کریں گے جب تک ثابت نہ ہو کہ اس نے کوئی پہلوئے کفر ہی مراد لیا، نہ کہ ایک ملعون کلام، تکذیب خدا یا تنقیص شان سید انبیا علیہ وعلیہم الصلوٰۃ

والثناء میں صاف، صریح، ناقابل تاویل و توجیہ ہو، اور پھر بھی حکم کفر نہ ہو، اب تو اسے کفر نہ کہنا، کفر کو اسلام ماننا ہوگا، اور جو کفر کو اسلام مانے خود کافر ہے۔ اسی شفاو بزازیہ و درر و بحر و نہر و فتاوٰی خیریہ و مجمع الانھر و در مختار و ردالمحتار وغیرہ کتب معتمدہ سے سن چکے کہ جو شخص حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تنقیص شان کرے، کافر ہے اور جو اس کے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر ہے مگر یہود منش لوگ فقہائے کرام پر افترائے سخیف اور ان کے کلام میں تبدیل و تحریف کرتے ہیں۔ "وَ سَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ." (القرآن الکریم ۲۶/۲۲۷) اب جانا چاہتے ہیں ظالم کہ کس کروٹ پر پلٹا کھائیں گے۔

"شرح فقہ اکبر" میں ہے:

"قد ذكروا أن المسالة المتعلقة بالكفر إذا كان لها تسع وتسعون احتمالًا للكفر واحتمال واحد فی نفيه فالأولیٰ للمفتی والقاضی أن يعمل بالاحتمال النافی."

"کفر سے متعلق بات میں جب ننانوے احتمالات (پہلو) کفر کے ہوں اور ایک احتمال (پہلو) غیر کفر ہو تو مفتی اور قاضی کے لیے اس احتمال (پہلو) پر عمل کرنا بہتر ہے جو کفر نہیں۔"

فتاوٰی خلاصہ و جامع الفصولین و محیط و فتاوٰی عالم گیری وغیرہا میں ہے:

"إذا كانت فی المسا لة وجوه تو جب التكفير و وجه واحديمنع التكفير فعلیٰ المفتی و القاضی أن يميل إلیٰ ذٰلك الوجه ولا يفتی بكفره تحسينًا للظن بالمسلم ثم إن كانت نية القائل الوجه الذی يمنع التكفير فهو مسلم وإن لم يكن، لا ينفعه حمل المفتی كلامه علیٰ وجهٍ لا يوجب التكفير."

ترجمہ: جب کسی قائل کے کلام کے کچھ ایسے معانی محتملہ ہوں جو اس کی تکفیر واجب کریں اور اس کے اس کلام کا ایک ایسا معنی محتمل ہے جو اس کی تکفیر سے مانع ہے تو مفتی اور قاضی پر لازم ہے کہ اس اچھے معنی کی طرف مائل ہو اور مسلمان کے ساتھ حسن ظن کے پیش نظر

اس کی تکفیر نہ کرے پھر اگر اس قائل نے اس اچھے معنی ہی کی نیت کی ہے جو اس کی تکفیر سے مانع ہے تو وہ مسلمان ہے اور اگر اس نے اس اچھے معنی کی نیت نہیں کی ہے جو اس کی تکفیر سے مانع ہے تو اس اچھے معنی پر اس کا کلام محمول کرنا اسے نفع نہ دے گا۔

اسی طرح فتاوی بزازیہ وبحر الرائق و مجمع الانہر و حدیقہ ندیہ وغیرہا میں ہے ، تاتارخانیہ وبحر وسل الحسام وتنبیہ الولاۃ وغیرہا میں ہے:

"لایکفر بالمحتمل لان الکفر نهایة فی العقوبة فیستدعی نهایةً فی الجنایة ومع الاحتمال لانهایة."

ترجمہ: جس کلام میں اسلام وکفر دونوں قسم کے معانی کا احتمال ہو ایسے کلام کے سبب قائل کی تکفیر نہ کی جائے گی، اس لیے کہ تکفیر انتہائی سخت ترین درجہ کی سزا ہے تو اس کے لیے جرم بھی انتہائی درجہ کا ہونا چاہیے اور اسلام وکفر دونوں کا احتمال ہوتے ہوئے اعلی درجہ کا جرم متحقق نہیں۔

بحر الرائق وتنویر الابصار وحدیقہ ندیہ وتنبیہ الولاۃ وسل الحسام وغیرہا میں ہے:

"والذی تحرّر انه لایفتی بکفر مسلمٍ أمکن حمل کلامه علی محملٍ حسنٍ" الخ.

دیکھو ایک لفظ کے چند احتمال میں کلام ہے نہ کہ ایک شخص کے چند اقوال میں، مگر یہودی بات کو تحریف کر دیتے ہیں۔ (فتاوی رضویہ، ۱۸/ ۳۱۲ تا ۳۱۴، کتاب العقائد، رسالہ تمہید ایمان بایات قرآن، امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی شریف)

گذشتہ تحقیقات کے مطالعہ سے یہ حقیقت واشگاف ہوتی ہے کہ اگر کسی شخص کے تمام اقوال اسلامی عقائد پر مبنی ہوں مگر اس کا ایک عقیدہ کفر خالص ہے تو ایسے قائل کی تکفیر کی جائے گی، اس لیے کہ اگرچہ اس کے تمام اقوال اسلامی عقائد پر مبنی ہیں مگر چوں کہ اس کا ایک عقیدہ کفر محض ہے تو وہ اسلام کی تمام ضروری باتوں کا معتقد نہ رہا بلکہ وہ تمام ضروریات دین

میں سے ایک ضروری دینی کا منکر رہا اور جو ضروریات دین میں سے کسی ایک ضروری دینی کا منکر ہو وہ قطعًا و یقینًا کافر ہے، اس لیے کہ منافی اسلام کے ہوتے ہوئے اسلام و ایمان باقی نہ رہا۔

اسی طرح اگر کسی شخص سے ایسا پہلو دار کلام صادر ہو جس میں سو پہلو نکل سکیں اور ان میں ننانوے پہلو کفر کی طرف جاتے ہوں اور ایک اسلام کی طرف اور واقع میں اس کی مراد کوئی پہلوے کفر ہی ہے تو وہ عند اللہ کافر ہی ہوگا۔ ہماری تاویل سے اسے فائدہ نہ ہوگا۔

''بحر الرائق''میں فتاوی بزازیہ کے حوالے سے ہے:

''وإذا صرح بإرادته من حيث الكفر فلا ينفعه التاويل.''(۲۱۰/۵)

''جب قائل کفری معنی کی صراحت کر دے تو اب کسی کی کوئی تاویل اسے نفع نہ دے گی۔ اور اگر کسی قائل کے کلام میں ۹۹ پہلو کفر کے ہیں اور ایک اسلام کا بھی ہے اور پہلوے کفر میں سے کوئی پہلو کا مراد ہونا معلوم نہیں تو محققین فقہا و متکلّمین محتاطین از راہِ احتیاط و تحسین ظن کے سبب اس کا کلام اسی پہلوے اسلام پر محمول کریں گے جب تک یہ متعیّن اور قطعی طور پر ثابت نہ ہو جائے کہ اس نے خاص پہلوے کفر ہی مراد لیا ہے۔ ہاں اگر خالص پہلوے کفر ہی مراد لینا ثابت اور متعیّن ہو تو فقہا و متکلّمین دونوں حضرات کے نزدیک بالاتفاق بلا شبہہ اس کی تکفیر کی جائے گی، اس لیے کہ قائل کی مراد معلوم اور متعیّن ہو جانے کے بعد التزام کفر پا لیا گیا اب اس کا کلام کسی اور معنی کا محتمل نہ رہا کہ احتمال اور تعیین میں منافات ظاہر ہے اب ''لا يكفر بالمحتمل''اس پر صادق نہیں اس لیے کہ **کلام محتمل اس کلام کو کہتے ہیں جس میں کفر و اسلام دونوں ہی قسم کے معانی کا احتمال ہو** اور جب قائل کی مراد معلوم اور متعیّن ہو گئی تو وہ کلام محتمل نہ رہا بلکہ مفسر و محکم اور صریح متعیّن ہو گیا اب فقہا و متکلّمین کسی کے یہاں کوئی تاویل اسے نفع نہ دے گی بلکہ قطعی طور پر کفر ثابت و متعیّن ہو جانے کے بعد دونوں حضرات کے نزدیک بالاتفاق قائل کی تکفیر کی جائے گی، اس لیے کہ اختلاف اس صورت میں ہے جب قطعی طور پر کفر ثابت و متعیّن نہ ہو مثلاً قائل پہلو دار الفاظ کہے تو جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ اس نے خاص معنی کفر ہی مراد لیا ہے

متکلّمین قائل کی تکفیر سے سکوت کریں گے، اس لیے کہ یہ حضرات شبہہ کو مانع تکفیر قرار دیتے ہیں اور جمہور فقہا ایسے قائل کی تکفیر کریں گے۔ امام احمد رضا قدس سرہ فرماتے ہیں:

"علما باوصف ان تصریحات کے کہ ایک احتمال اسلام بھی نافی کفر ہے جہاں بکثرت احتمالات اسلام موجود ہیں۔ حکم کفر لگائیں لاجرم اس سے مراد وہی خاص احتمال کفر ہے مثل ادعائے علم ذاتی و غیرہ ورنہ یہ اقوال آپ ہی باطل اور ائمہ کرام کی اپنی ہی تحقیقات عالیہ کے مخالف ہو کر خود ذاہب و زائل ہوں گے، اس کی تحقیق جامع الفصولین و رد المحتار و حاشیہ علامہ نوح و ملتقط و فتاوی حجۃ و تاتار خانیہ مجمع الانھر و حدیقۂ ندیہ و سلّ الحسام و غیرہا کتب میں ہے۔ نصوص عبارات رسائل علم غیب مثل اللولؤ المکنون و غیرہا میں ملاحظہ ہوں، و باللہ التوفیق .

یہاں صرف حدیقہ ندیہ شریف کے یہ کلمات شریفہ بس ہیں:

"جميع ما وقع في كتب الفتاوٰى من كلماتٍ الكفر التي صرح المصنفون فيها بالجزم بالكفر يكون الكفر فيها محمولاً على إرادة قائلهامعنىً علّلوا به الكفر و إذا لم تكن إرادة قائلها ذٰلك فلا كفر." اھ مختصراً.

(الحديقة الندية شرح الطريقة المحمدية والاستخفاف بالشريعة كفر الخ مكتبه نوريه رضويه فيصل آباد ١ / ٣٠٤)

"یعنی کتب فتاوی میں جتنے الفاظ پر حکم کفر کا جزم کیا ہے ان سے مراد وہ صورت ہے کہ قائل نے ان سے پہلوئے کفر مراد لیا ہو ورنہ ہرگز کفر نہیں۔"

(فتاوی رضویہ، ۳۱۲/۱۸ تا ۳۱۴، کتاب العقائد، رسالہ تمہید ایمان بآیات قرآن، امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی شریف)

کلام محتمل کب مفسر اور صریح متعیّن ہوتا ہے؟

اس سے صاف عیاں و آشکارا ہے کہ جب قائل کی مراد معلوم ہو خواہ اس طرح کہ اس

نے اپنی جو مراد بیان کی وہ خالص کفر ہے یا یہ کہ خود اس کا کلام خالص معنی کفر میں متعیّن ہے یا یہ کہ مراد معلوم کرنے پر صحیح مراد نہ بتانے سے معین ہو جائے تو بلا شبہہ اس کی تکفیر کی جائے گی، ایسے مقام پر تکفیر سے سکوت اور کف لسان ہر گز نہ کیا جائے گا، اس لیے کہ اب کلام اسلام و کفر دونوں معنوں کا محتمل نہ رہا بلکہ محتمل سے نکل کر مفسر اور صریح متعیّن ہو گیا فقہا اور متکلّمین دونوں حضرات ایسے قائل کی تکفیر جزمی فرمائیں گے۔

کون سا احتمال معتبر ہے؟

اب رہا یہ کہ قائل کے کلام میں احتمال اسلام بھی نافی کفر ہے اس احتمال سے کون سا احتمال مراد ہے اور کس مقام پر اور کس کلام میں کیا صریح (بمعنی متعیّن) کلام میں بھی احتمال معتبر ہے تو امام احمد رضا قدس سرہ اس مقام کی توضیح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”احتمال وہ معتبر ہے جس کی گنجائش ہو صریح بات میں تاویل نہیں سنی جاتی ورنہ کوئی بات بھی کفر نہ رہے۔ مثلاً زید نے کہا: خدا دو ہیں، اس میں یہ تاویل ہو جائے کہ لفظ خدا سے بحذفِ مضاف حکمِ خدا مراد ہے یعنی قضا دو ہیں: مبرم و معلق۔ جیسے قرآن عظیم میں فرمایا: ” اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ “. (القرآن الکریم ۲/۲۱۰) أي أمر الله.

عمرو کہے: میں رسول اللہ ہوں، اس میں یہ تاویل گڑھ لی جائے کہ لغوی معنی مراد ہیں یعنی خدا ہی نے اس کی روح بدن میں بھیجی، ایسی تاویلیں زنہار مسموع نہیں۔

”شفا شریف“ میں ہے:

”ادعاؤہ التاویل فی لفظٍ صراحٍ لا یقبل.“ صریح لفظ میں تاویل کا دعویٰ نہیں سنا جاتا۔ (الشفاء بتعریف حقوق المصطفی القسم الرابع الباب الاول المکتبة الشرکة الصحافیة ۲ / ۲۰۹ و ۲۱۰)

شرح شفا قاری میں ہے:

"هو مردود عند القواعد الشرعية." ایسا دعویٰ شریعت میں مردود ہے۔
(شرح الشفاء لملاعلی القاری، القسم الرابع، الباب الاول، دار الکتب العلمیۃ بیروت ۳۹۶/۲)
نسیم الریاض میں ہے:
"لا يلتفت لمثله و يعدُّ هذيانًا." ایسی تاویل کی طرف التفات نہ ہوگا اور ہذیان سمجھی جائے گی۔ (نسیم الریاض القسم الرابع الباب الاول مرکز اہل سنت برکات رضا، پور بندر، گجرات الہند ۳۴۳/۴)
فتاوٰی خلاصہ و فصول عمادیہ جامع الفصولین و فتاوٰی ہندیہ و غیرہا میں ہے:
"واللفظ للعمادي قال: أنا رسول الله أو قال بالفارسية: من پیغمبرم یر ید به من پیغام می برم یکفر."
"عمادی کے الفاظ ہیں کوئی شخص کہے:"میں اللہ کا رسول ہوں" یا فارسی میں کہے: "میں پیغمبر ہوں اور مراد یہ لے کہ میں پیغام لے جاتا ہوں قاصد ہوں تو وہ کافر ہو جائے گا۔"
(الفتاوی الھندیۃ بحوالۃ الفصول العمادیۃ کتاب السیر الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۲۶۳/۲)
یہ تاویل نہ سنی جائے گی فاحفظ."
(فتاوی رضویہ، ۳۱۵/۱۸، کتاب العقائد، رسالہ تمہید ایمان بہ آیات قرآن)
ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:
"اعلام" امام ابن حجر میں ہے کہ یہی سبب ہے کہ **ضروریات دین میں تاویل مسموع نہیں ہوتی** اور شک نہیں کہ قرآن جو بحمد اللہ تعالیٰ شرقاً غرباً قرناً فقرناً تیرہ سو برس سے آج تک مسلمانوں کے ہاتھوں میں موجود محفوظ ہے باجماع مسلمین بلاکم و کاست وہی "تنزیل رب العالمین" ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو پہنچائی اور ان کے ہاتھوں میں ان کے ایمان، ان کے اعتقاد، ان کے اعمال کے لیے چھوڑی، اسی کا ہر نقص

وزیادت و تغییر و تحریف سے مصون ومحفوظ، اور اس کا وعدۂ حقہ صادقہ "اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ" میں مراد و ملحوظ ہونا ہی یقیناً ضروریات دین سے ہے۔

نہ یہ کہ قرآن جو تمام جہان کے مسلمانوں کے ہاتھ میں تیرہ سو برس سے آج تک ہے یہ تو نقص و تحریف سے محفوظ نہیں، ہاں ایک وہم تراشیدہ صورت ناکشیدہ دندان غول کی خواہر پوشیدہ غار سامرہ میں اصلی قرآن بغل کتمان میں دبائے بیٹھی ہے "اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ" کا مطلب یہی ہے یعنی مسلمانوں سے عمل تو اسی محرّف مبدّل ناقص نامکمل پر کرائیں گے اور اس اصلی جعلی کو ع

برائے نہادن چہ سنگ وچہ زر

کی کھوہ میں چھپائیں گے، گویا "لَحٰفِظُوْنَ" کے معنی یہ ہیں کہ قرآن کو مسلمانوں سے محفوظ رکھیں گے، انھیں اس کی پرچھائے نہ دکھائیں گے۔

بعض ناپاکوں نے اس سے بڑھ کر تاویل نکالی ہے کہ "قرآن اگرچہ کتنا ہی بدل جائے مگر علم الٰہی ولوح محفوظ میں تو بدستور باقی ہے،" حالاں کہ علم الٰہی میں کوئی شے نہیں بدل سکتی، پھر قرآن کی کیا خوبی نکلی۔ توریت وانجیل درکنار، مہمل سے مہمل ردی سے ردی کوئی تحریر جس میں مصنف کا ایک لفظ ٹھکانے سے نہ رہا بلکہ دنیا سے سراسر معدوم ہوگئی ہو علم الٰہی ولوح محفوظ میں یقیناً بدستور باقی ہے، **ایسی ناپاک تاویلات ضروریات دین کے مقابل نہ مسموع ہوں، نہ ان سے کفروارتداد اصلاً مدفوع ہوں۔**

ان کی حالت وہی ہے جو نیچریہ نے آسمان کو بلندی، جبرئیل وملائکہ کو قوت خیر، ابلیس وشیاطین کو قوت بدی، حشر ونشر وجنت ونار کو محض روحانی نہ جسدی بنالیا۔ قادیانی مرتد نے خاتم النبیین کو افضل المرسلین، ایک دوسرے شقی نے نبی بالذات سے بدل دیا، **ایسی تاویلیں سن لی جائیں تو اسلام وایمان قطعاً درہم برہم ہو جائیں، بت پرست لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی تاویل کرلیں گے کہ یہ افضل واعلیٰ میں حصر ہے یعنی خدا کے برابر دوسرا**

خدا ہے وہ سب دوسروں سے بڑھ کر خدا ہے نہ یہ کہ دوسرا خدا ہی نہیں جیسے: ”لا فتی إلا علی لا سیف إلا ذو الفقار“ وغیرہ محاوراتِ عرب سے روشن ہے۔
(فتاوی رضویہ، ۱۸/۳۱۵، کتاب العقائد، رسالہ تمہید ایمان بہ آیات قرآن)

اس سے صاف ظاہر ہے کہ ضروریات دین اور صریح (بمعنی متعیّن) بات میں تاویل مسموع نہیں۔ ضروریات دین کا صاف وصریح انکار کے بعد تکفیر سے کوئی چارہ نہیں کہ اکابر ائمہ دین تصریح فرماتے ہیں:

”من شك فی عذابه و کفره فقد کفر“ جو ایسے کے مُعَذَّب و کافر ہونے میں شک کرے وہ کافر ہے۔ جب وجہ کفر آفتاب سے زیادہ روشن ہو جائے اور حکم اسلام کے لیے ضعیف سا ضعیف محمل بھی باقی نہ رہے تو تکفیر سے سکوت نہ کیا جائے گا بلکہ فقہا و متکلّمین دونوں حضرات کے نزدیک اس وقت تکفیر جزمی لازم ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

”ہمیں ہمارے نبی ﷺ نے اہل ”لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ“ کی تکفیر سے منع فرمایا ہے جب تک وجہ کفر آفتاب سے زیادہ روشن نہ ہو جائے اور حکم اسلام کے لیے اصلاً کوئی ضعیف سا ضعیف محمل بھی باقی نہ رہے۔ ”فإن الاسلام یعلو و لا یعلی.“
(فتاوی رضویہ، ۱۸/۳۲۰، کتاب العقائد، رسالہ تمہید ایمان، امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی شریف)

کلمات کفر کی قسمیں

تکفیر کے مقام میں اس بات کا جاننا بھی ضروری ہے کہ **کلمات کفر کی دو قسمیں ہیں: التزامی و لزومی** حضرت صدر الشریعہ بدر الطریقہ علامہ مولانا مفتی شاہ محمد امجد علی اعظمی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

”اقوال کفریہ دو قسم کے ہوتے ہیں: (۱) ایک وہ کہ جس میں کسی معنی صحیح کا بھی احتمال (یعنی پہلو) ہو (۲) دوسرے وہ کہ اس میں کوئی ایسے معنی نہیں بنتے جو قائل کو کفر سے

بجائے اس میں **اول کو لزوم کفر کہا جاتا ہے اور قسم دوم کو التزام کفر۔**

لزوم کفر کی صورت میں بھی فقہاے کرام نے حکم کفر دیا مگر متکلّمین (رحمہم اللہ تعالیٰ) اس سے سکوت کرتے ہیں اور فرماتے ہیں: جب تک التزام کی صورت نہ ہو قائل کو کافر کہنے سے سکوت کیا جائے گا اور احوط یہی مذہب متکلّمین ہے۔

(فتاوی امجدیہ، ۴/۵۱۲ و ۵۱۳)

کفر لزومی و التزامی

امام اہل سنت سیدنا اعلیٰ حضرت قدس سرہ فرماتے ہیں:

”سید العالمین محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جو کچھ اپنے رب کے پاس سے لائے ان سب میں ان کی تصدیق کرنا اور سچے دل سے ان کی ایک ایک بات پر یقین لانا ایمان ہے۔ اور معاذ اللہ ان میں کسی بات کا جھٹلانا اور اس میں ادنیٰ شک لانا کفر (ہے)۔

پھر یہ **انکار جس سے خدا مجھے اور سب مسلمانوں کو پناہ دے دو طرح ہوتا ہے: لزومی والتزامی۔**

التزامی: یہ کہ ضروریات دین سے کسی شئ کا تصریحًا خلاف کرے یہ قطعًا اجماعًا کفر ہے اگرچہ نام کفر سے چڑے اور کمال اسلام کا دعویٰ کرے۔ **کفر التزامی کے یہ معنی نہیں کہ صاف صاف اپنے کافر ہونے کا اقرار کرتا ہو** جیسا کہ بعض جہال سمجھتے ہیں۔ یہ اقرار تو بہت طوائف کفار میں بھی نہ پایا جائے گا ہم نے دیکھا ہے بہیترے ہندو کافر کہنے سے چڑتے ہیں **بلکہ اس کے یہ معنی کہ جو انکار اس سے صادر ہوا یا جس بات کا اس نے دعویٰ کیا وہ بعینہ کفر و مخالف ضروریات دین ہو** جیسے طائفہ تالفہ نیاچرہ کا وجود ملک وجن وشیطان وآسمان ونار وجنان ومعجزات انبیا علیہم افضل الصلوٰۃ والسلام سے ان معانی پر کہ اہل اسلام کے نزدیک حضور ہادی برحق صلوات اللہ وسلامہ علیہ سے متواتر ہیں انکار کرنا اور اپنی **تاویلات**

باطلہ و توہمات عاطلہ کو لے مرنا نہ ہرگز ہرگز ان تاویلوں کے شوشے انھیں کفر سے بچائیں گے نہ محبت اسلام و ہمدردی قوم کے جھوٹے دعوے کام آئیں گے۔ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰی یُؤْفَكُوْنَ.
(القرآن الکریم ۹/۳۰و ۶۳/۴) اللہ انھیں مارے کہاں اوندھے جاتے ہیں۔

اور **لزومی:** یہ کہ جو بات اس نے کہی عین کفر نہیں مگر منجر بکفر ہوتی ہے یعنی مآل سخن و لازم حکم کو ترتیب مقدمات و تتمیم تقریبات کرتے لے چلیے تو انجام کار اس سے کسی ضروری دین کا انکار لازم آئے جیسے روافض کا خلافت حقہ راشدہ خلیفۂ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت جناب صدیق اکبر و امیر المومنین حضرت جناب فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے انکار کرنا کہ تضلیل جمیع صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی طرف مؤدی اور وہ **قطعاً کفر مگر انھوں نے صراحۃً اس لازم (تضلیل جمیعِ صحابہ جو قطعاً کفر ہے) کا اقرار نہ کیا تھا بلکہ اس سے صاف تحاشی کرتے** اور بعض صحابہ یعنی حضرات اہل بیت عظام وغیرہم چند اکابر کرام علی مولاھم وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کو زبانی دعووں سے اپنا پیشوا بناتے اور خلافت صدیقی و فاروقی پر ان کے توافق باطنی سے انکار رکھتے ہیں **اس قسم کے کفر میں علمائے اہلسنت مختلف ہوگئے جنھوں نے مآل مقال و لازم سخن کی طرف نظر کی حکم کفر فرمایا اور تحقیق یہ ہے کہ کفر نہیں بدعت و بدمذہبی و ضلالت و گمراہی ہے**۔ والعیاذ باللہ رب العالمین.

(فتاویٰ رضویہ، ۳/۲۰، ۱۷، کتاب العقائد، رسالہ تمہید ایمان، امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی شریف)

"المستند المعتمد" میں ہے:

"**ہمارے نزدیک راجح یہی ہے کہ التزام کفر کے بغیر تکفیر نہیں** اور التزام سے مراد یہ نہیں کہ وہ شخص اپنے کافر ہونے کا التزام کرے، اس لیے کہ کوئی بھی بت پرست اپنے لیے یہ نہ پسند کرے گا کہ اسے کافر کہا جائے۔ **التزام کفر کا یہی معنی ہے** کہ بعض ضروریات کے انکار کا التزام کرے اگرچہ خود کو کامل مسلمانوں میں گمان کرے اور یہ کہے کہ وہ اس ذلیل انکار میں تاویل رکھتا ہے۔ جیسا کہ میں نے "سبحان السبوح" میں بیان کیا۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ **کلمات وافعال کفر دو طرح کے ہیں:**

ایک: وہ جو بعینہ کفر یعنی کفر میں متعیّن ہیں جن میں اسلام کا نہ کوئی قریب پہلو ہے نہ بعید۔

دوسرے: وہ جن کا ظاہر کفر ہے اگرچہ کسی بعید تاویل سے کفر نہ ہوں۔

جمہور فقہا دوسری (لزومِ کفر کی) صورت میں کفر کا حکم دیتے ہیں جب کہ محققین فقہا اور متکلّمین محتاطین از راہ احتیاط و تحسین ظن کے سبب اس صورت میں تکفیر سے کف لسان اور سکوت کرتے ہیں اور بدعت و بدمذہبی و ضلالت و گمراہی کا حکم دیتے ہیں۔

پہلی (التزام کفر کی) صورت میں دونوں فریق قائل کو بالاتفاق کافر کہتے ہیں۔

پہلی صورت (جب قائل کا کلام معنی کفر میں متعیّن ہو) کو کفر کلامی اور کفر التزامی کہا جاتا ہے جب کہ دوسری صورت کو کفر فقہی و کفر لزومی کہا جاتا ہے۔ کفر فقہی اس لیے کہ جمہور فقہا لزوم کفر کی صورت میں تکفیر فرماتے ہیں اور محققین سکوت فرماتے ہیں۔ اور پہلی صورت کو کفر کلامی اس لیے کہتے ہیں کہ متکلّمین کی ایک عظیم جماعت التزام کفر کی صورت میں تکفیر کرتی ہے۔

لزوم کفر اور التزام کفر کی توضیح

سیدنا سرکار حافظ ملت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس مقام کی کامل تحقیق و تفصیل اور کفر لزومی والتزامی کی تشریح و توضیح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"کسی قول کا اگر ظاہر کفر ہے، اگرچہ تاویل بعید سے صحیح معنی بن سکتے ہوں، مگر جمہور فقہا کے نزدیک یہ قول کفر اور اس کا قائل کافر ہے، کیوں کہ ان کے نزدیک تاویل بعید معتبر نہیں۔ مگر متکلّمین تا وقتے کہ اس قائل کی مراد نہ معلوم ہو، حکم کفر نہ کریں گے۔ البتہ اگر یہ معلوم ہو جائے کہ اس قائل نے وہی ظاہری کفری معنی مراد لیے ہیں تو متکلّمین بھی اسے کافر کہیں گے۔ مثلاً ایک شخص نے کہا کہ کافر دوزخ میں نہیں

جائے گا۔ یہ قول بظاہر کفر ہے۔ قرآن مجید کے خلاف ہے۔ بہت سی آیتوں سے ثابت ہے کہ کفار دوزخ میں جائیں گے، اور ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔ لہٰذا فقہائے کرام اس قائل پر کفر کا حکم دیں گے اور ایسا شخص جمہور فقہا کے نزدیک کافر ہوگا، مگر اس قول میں ایک بعید پہلو نکلتا ہے اور صحیح معنی بن سکتے ہیں، کافر دوزخ میں نہیں جائے گا یعنی جس وقت دوزخ میں جائے گا کافر نہ ہوگا، کیوں کہ کافر منکر کو کہتے ہیں اور جس وقت دوزخ میں جائے گا منکر نہ ہوگا، اس لیے کہ مرتے وقت جب حجاب اٹھ جاتے ہیں اور غیب شہادت ہو جاتا ہے تو کافر بھی ایمان لاتا ہے اگر چہ وہ ایمان معتبر نہیں۔ لہٰذا قول مذکور کا یہ پہلو قرآن مجید کے خلاف نہیں، اس لیے کفر نہیں، لہٰذا **متکلّمین اس کے قائل پر حکم کفر نہ کریں گے، لیکن اس قول کو برا ہی کہیں گے اور قائل کو اس سے روکیں گے اور اگر معلوم ہو جائے گا کہ اس قائل نے یہی ظاہری معنی مراد لیے ہیں جو قرآن کے خلاف ہیں تو متکلّمین محتاطین بھی (جمہور فقہا کی طرح) اسے کافر ہی کہیں گے، کیوں کہ اب یہ کفر التزامی ہے اور اس کے قائل کے کفر میں قطعاً کوئی شبہہ نہیں۔**

خلاصہ یہ کہ جمہور فقہائے کرام ظاہری پہلو کفر پر نظر کر کے حکم کفر دیتے ہیں اور تاویل بعید نہیں سنتے اور متکلّمین اس کے تمام پہلوؤں پر غور کر کے اگر ضعیف سے ضعیف احتمال بھی صحیح نکل سکتا ہے تو کفر کا حکم نہیں کرتے (بلکہ از راہ احتیاط، تحسین ظن کے سبب تکفیر سے کف لسان اور سکوت کرتے ہیں۔) **یعنی کفر کلامی وہ ہے جس میں قطعاً کوئی شبہہ نہ رہے، شبہہ خواہ کلام میں ہو یا متکلّم میں یا تکلّم میں۔**

کلام میں شبہہ کے معنی یہ ہیں کہ وہ کلام کفری معنی کے علاوہ بھی دوسرے معنی کا صحیح احتمال رکھتا ہے، اگر چہ وہ احتمال بعید ہو۔

تکلّم میں شبہہ کے معنی یہ ہیں کہ قول اگر چہ قطعاً کفر ہے مگر اس قول کی نسبت اس متکلّم کی طرف قطعی نہیں یعنی یہ شبہہ ہے کہ شاید یہ قول اس کا نہ ہو۔

متکلّم میں شبہہ کے معنی یہ ہیں کہ اگر چہ یہ قول قطعاً کفر ہے اور نسبت بھی صحیح ہے، اسی کا قول ہے، لیکن کہا جاتا ہے کہ متکلّم نے اس سے توبہ کر لی ہے مگر توبہ کا ثبوت قطعی نہیں۔

ان تینوں اقسام میں سے ہر شبہہ کی بنا پر متکلّمین اس قائل کی تکفیر سے احتیاط کرتے ہیں۔ (العذاب الشدید، ص:۲۳۳تا۲۳۵)

خاص شخص کی تکفیر کلامی کا ضابطہ

اس سے ایک ضابطہ محقق ہوا کہ کسی خاص شخص کی تکفیر کلامی کے لیے یہ ضروری ہے کہ جس شخص معین کی تکفیر کی جا رہی ہے اس کا کلام شبہہ سے خالی ہو، اس کی طرف اس کلام کی نسبت صحیح ہو، اس کا کلام کفری معنی میں متعیّن ہو، کفری معنی کے علاوہ کسی صحیح معنی کا قطعاً احتمال نہ رکھے۔ اگر چہ وہ احتمال بعید ہی کیوں نہ ہو؛ کیوں کہ فقہاے محققین اور متکلّمین محتاطین احتمال بعید کا اعتبار کرتے ہیں اور از راہ احتیاط تحسین ظن کے سبب تکفیر کلامی جزمی سے سکوت وکف لسان کرتے ہیں۔

نیز یہ امر پایۂ تحقیق اور ثبوت شرعی کو پہنچ جائے کہ اس شخص معین کی طرف اس قول کفر کی نسبت قطعی ویقینی ہے۔ اس شخص معین کے بارے میں یہ نہ کہا جائے کہ اس نے اس قول کفر سے توبہ کر لی ہے مگر اس کی توبہ قطعی طور پر ثابت نہیں، اس لیے کہ اگر اس کی توبہ قطعی طور پر ثابت ہو تو اس کی تکفیر حرام ہے۔

حاصل یہ کہ منکر نے جس دینی بات کا انکار کیا ہے اس میں کلام، تکلم اور متکلّم کسی اعتبار سے کسی قسم کا شک وشبہہ باقی نہ رہے تو متکلّمین کے احوط مذہب کی بنیاد پر دین کی ضروری باتوں میں سے کسی بات کا صاف صاف انکار کرنے پر منکر کی تکفیر کلامی کی جائے گی۔ افقہ امت، سیدنا سرکار مفتی اعظم قدس سرہ نے ''الموت الاحمر'' کے حاشیہ میں اس کی تحقیق انیق یوں فرمائی ہے:

"أقول و بالله التوفیق: یہاں تین چیزیں ہیں: کلام، تکلم، متکلّم۔ ان میں سے جس کسی میں احتمال محتمل قابل قبول پیدا ہوگا۔ مانع تکفیر ہوگا اگر چہ کفریّت قول (قول کا کفر ہونا) ثابت ہو۔

کلام میں احتمال کی صورت تو وہی کہ مقدمہ (۲) میں گزری اور **تکلم میں احتمال** یہ کہ جس کی طرف وہ کلام منسوب ہو اس سے اس کے ثبوت میں تامل ہو تو کلام اگر چہ یقیناً جزماً کفر ہو اس شخص کو کافر نہ کہیں گے کہ اس کا تکلم ثابت نہیں۔ اور **متکلّم میں احتمال** یہ کہ اس کلام سے اس کی توبہ و رجوع مسموع ہو یہ اگر بہ ثبوت قطعی ثابت ہو جب تو ظاہر کہ اس کی تکفیر حرام بلکہ بفتوائے کثیر فقہا خود کفر۔ اور ایسا ثبوت ہو کہ مُتردّد کر دے جب بھی قائل کے بارے میں کف لسان درکار، اگر یہ قول کفر صریح ناقابل تاویل ہو حدیث کا ارشاد ہے: کیف و قد قیل. اور اگر نری افواہ بے سروپا یا کن فیکون کے بعد اس کے بعض ہواخواہوں کا مکابرانہ ادعا ہو تو اس پر التفات نہ ہوگا۔ فاحفظ ۱۲ منہ (الموت الاحمر، ص: ۵۲، ۵۳)

صریح کا معنی اور تاویل مقبول و نامقبول

گذشتہ کلام سے یہ حقیقت بھی روز روشن سے زیادہ آشکارا ہو گئی کہ "قائل کے کفر صریح میں تاویل نامقبول ہے" میں صریح اور تاویل سے کیا مراد ہے۔

فقہائے محققین اور متکلّمین محتاطین کے نزدیک صریح سے صریح متعیّن مراد ہے کہ قائل کا کلام کفری معنی میں نہ صرف ظاہر بلکہ ایسا متعیّن ہو کہ اس میں تاویل قریب و بعید کی قطعاً کوئی گنجائش باقی نہ رہے۔ **متکلّمین کے نزدیک کلام کا معنی کفر میں صرف ظاہر ہونا کافی نہیں بلکہ معنی کفر میں متعیّن ہونا درکار ہے۔ اور تاویل نامقبول میں تاویل سے تاویل متعذر مراد ہے جو در حقیقت تاویل نہیں بلکہ کھیل اور تمسخر ہے۔** قائل کفر سے بچنے کے لیے تاویل متعذر کا سہارا لیتا ہے یہ فقہا و متکلّمین کسی کے یہاں مقبول نہیں **متکلّمین**

کے نزدیک وہی تاویل مقبول ہے جو دلیل سے ناشی ہو جسے تاویل صحیح کہتے ہیں اور اس کے ساتھ تاویل فاسد جو شبہہ سے ناشی ہو متکلّمین اسے بھی بوجہ شبہہ مانع تکفیر قرار دیتے ہیں جب کہ جمہور فقہاے کرام صریح سے متعیّن نہیں مراد لیتے بلکہ ظاہر و متبیّن کہ قائل کے کلام سے کفر کا معنی ظاہر ہو تو اس کی تکفیر کی جائے گی اس کی نیت اور مراد کو نہ دیکھا جائے گا اور اسی طرح جمہور فقہاے کرام صرف تاویل صحیح کو قبول کرتے ہیں جو دلیل سے ناشی ہوتی ہے اور شبہہ سے حاصل شدہ تاویل فاسد (تاویل بعید اور احتمال ضعیف) کو قبول نہیں کرتے اور بوجہِ شبہہ اسے مانع تکفیر نہیں جانتے جس کا حاصل یہ نکلا کہ **تاویل کی تین قسمیں ہیں:**

تاویل صحیح، تاویل فاسد اور تاویل متعذر (باطل) تاویل صحیح فقہا و متکلّمین دونوں کے نزدیک بالاتفاق مقبول ہے اور تاویل متعذر فقہا و متکلّمین کسی کے یہاں مقبول نہیں، اس لیے کہ وہ در حقیقت تاویل نہیں بلکہ تغییر و تبدیل ہے۔ تاویل فاسد جمہور فقہا کے نزدیک مقبول نہیں اور فقہاے محققین و متکلّمین کے نزدیک مقبول اور بوجہِ شبہہ مانع تکفیر ہے۔

"الموت الاحمر" میں ہے:

"صریح بے شک متعیّن و متبیّن دونوں کو شامل جس کا ثبوت فتواے مبارکہ میں عبارات ہدایہ و فتح القدیر سے دے دیا گیا۔ فتوے میں دونوں شقوں کا ذکر تھا "تمہید ایمان" خاص مسلک و معتمد و مختار مذہب کلامی پر ہے (مقدمہ ۵) **بحث کلامی میں صریح خاص بمعنی متعیّن۔ متعیّن اس کے لیے دوسرا محمل ناممکن (مقدمہ ۳) اس صریح میں بے شک ادعائے تاویل مردود** جس پر "شفا و شروح شفا" سے تصریحات موجود اس سے مطلق صریح کا نافی احتمال یا ہر صریح میں ہر تاویل کا نامقبول و ہذیان سمجھ لینا اس لباس کا کام نہیں بلکہ دوسرے لباس کا دیوبندی ہذیان ہے۔" (الموت الاحمر، ص: ۵۳، ناشر: محمدی بک ڈپو)

اسی ''الموت الاحمر''میں ہے:

''بحث فقہی میں (دیکھو مقدمہ ۵) بحث فقہی پر ضرور اس میں کسی تاویل کی جگہ نہیں کہ وہ تاویل بعید نہیں سنتے (مقدمہ ۳) اور عبارت ''تمہید الایمان'' میں بحث کلامی ہے (مقدمہ ۵) **وہاں صریح وہ کہ متعیّن ہونا قابل تاویل وہ جس میں کوئی احتمال بعید بھی نہ ہو۔''**

(الموت الاحمر، ص:۵۴، ناشر: محمدی بک ڈپو)

اس سے صاف صاف ظاہر ہے کہ جمہور فقہا و متکلّمین کے نزدیک صریح کا معنی یکساں نہیں بلکہ الگ الگ ہے۔ فقہا کی عبارت اور بحث فقہی میں صریح بمعنی متبیَّن (ظاہر) ہے اور عبارات متکلّمین و بحث کلامی میں صریح بمعنی متعیّن ہے جو کسی توجیہ کے قابل نہ ہو باب تکفیر ظاہر پر عمل نہیں امام احمد رضا قدس سرہ فرماتے ہیں:

''تکفیر میں ظاہر پر عمل نہیں چہ جائے کہ ظاہر تر ہو جائے بلکہ اس کے لیے ایسا صریح ضروری ہے جو کسی توجیہ کے قابل نہ ہو۔'' (المستند المعتمد مترجم، ص:۱۸۶)

اس روشن فرق کے ہوتے ہوئے دونوں اصطلاحوں کا فرق بالائے طاق رکھ کر دونوں مقام کو یکساں معنی پر محمول کرنا صرف عدل و انصاف اور امانت و دیانت کا خون کرنا ہی نہیں بلکہ تحریف و تغییر اور تحویل و تبدیل ہے۔

اس مقام کی تحقیق انیق، تاویل کے اقسام کی توضیح، تاویل مقبول و نامقبول کی تفصیل اور عند الفقہا و المتکلّمین صریح کے معنی کی تعیین کرتے ہوئے ''الموت الاحمر'' میں ہے:

''مقدمہ ا: **تاویل تین قسم ہے:** قریب، بعید متعذر، کما فی منتھی السؤل وفصول البدائع وغیرھما. ثالث حقیقۃً تاویل نہیں، تحویل ہے باعتبار زعم مرتکب یا تجریداً اس پر بھی اطلاق ہے قول علما: ''لا یقبل التاویل في الضروري'' میں ضرور یہی مراد کہ ضروری میں غیر متعذر متعذر، یہی معنی تاویل متعیّن میں متعیّن ورنہ متعیّن نہ ہو۔ ہاں متبیَّن میں سب قسمیں ممکن۔

مقدمہ ۲:- **جمہور فقہا کے نزدیک اکفار کو تبیّن کافی عامہ حنفیہ ومالکیہ وحنبلیہ اور بہت شافعیہ کا یہی مسلک اور اکثر متکلّمین وفقہاے محققین حنفیہ وغیر ہم شارط تعیین۔** "منح الروض" میں ہے: ''عدم التكفير مذهب المتكلمين والتكفير مذهب الفقهاء فلا يتحد القائل بالنقيضين فلا محذور.'' (ص:۱۸۹،۱۹۰)

(ترجمہ: قائل کا کلام معنی کفر میں ظاہر ہو متعیّن نہ ہو بلکہ تاویل بعید کے قابل ہو تو متکلّمین کا مذہب عدم تکفیر ہے اور فقہا کا مذہب تکفیر ہے کہ وہ تاویل بعید قبول نہیں کرتے تو (تکفیر اور عدم تکفیر ان) دو متضاد باتوں کی قائل فقہا و متکلّمین کی دو الگ الگ جماعتیں ہوئیں نہ کہ ایک جماعت تو کوئی خرابی لازم نہ آئی۔)

لاجرم تاویل صحیح اگرچہ کتنی ہی بعید ہو متکلّمین قبول کریں گے یہ ہے وہ کہ **محققین محتاطین نے فرمایا کہ ایک بات میں ننانوے پہلو کفر کے ہوں اور ایک اسلام کا تو پہلوے اسلام کو ترجیح دیں گے۔** یہ ہے وہ کہ "سل السيوف الهندية على كفريات بابا النجدية'' [۱۳۱۲ھ] اور حاشیۂ "الكوكبة الشهابية في كفريات أبي الوهابية'' [۱۳۱۲ھ] میں فرمایا کہ **جب تک ضعیف سا ضعیف احتمال ملے گا حکم کفر جاری کرتے ڈریں گے۔** ان کے نزدیک تکفیر اور حکم بوقوع طلاق میں زمین وآسمان کا تفاوت ہے۔ طلاق صریح میں خلاف ظاہر احتمال، قاضی نہ سنے گا نہ عورت مانے گی فإنها كالقاضي كما في الفتح والبحر وغيرهما.

ہاں عند اللہ طلاق نہ ہوگی اگر اس نے کسی اور پہلوے محتمل کی نیت کی یہ ہے وہ کہ فتواے مبارکہ میں "ہدایہ" سے تھا، لأنه نوى ما يحتمله لیکن یہاں بھی حکم کفر نہ کریں گے بلکہ اگر اس نے پہلوے کفر کی نیت کی تو عند اللہ کافر ہوگا اور یہ کافر نہ کہیں گے برعکس طلاق کہ اس صورت میں عند اللہ طلاق نہ تھی اور حکم طلاق دیتے۔ "درر" و "در" میں ہے:

''إذا كان في المسئلة وجوه توجب الكفر (أي احتمالات اهـ ش)

و واحد يمنعه فعلى المفتي الميل لما يمنعه ثم لو نِيَّتُهُ ذلك فمسلم وإلا لم ينفعه حمل المفتي على خلافه.''(در مختار، ٤/ ٢٣٠، دار الفكر، بيروت ودرر الحكام، ١/ ٣٢٤، احياء الكتب، بيروت)

(ترجمہ: جب کسی قائل کے کلام میں مختلف معانی کا احتمال ہو، سارے معانی کفر کے بنتے ہوں اور ایک معنی ایمان واسلام کے بنتے ہوں تو مفتی پر اسی ایک اسلامی معنی کی طرف مائل ہونا لازم ہے جو اس کی تکفیر سے مانع ہے، پھر اگر اس قائل نے اسی ایک اسلامی معنی ہی کی نیت کی تو بلا شبہہ وہ مسلمان ہے اور اگر اس نے اس اسلامی معنی کو مراد نہ لے کر کفری معنی مراد لیا تو مفتی کا اس کی تکفیر نہ کرنا اسے نفع نہ دے گا۔)

لیکن عامۂ فقہا کے یہاں اس کا وہی حکم مثل طلاق صریح ہے کہ معنی ظاہر پر عمل اور احتمال بعید نامتقبّل اور باطن مفوّض بعلیم عز وجل حتی کہ امام ابن حجر باآنکہ بہت احتیاط برتے ہیں، ''اعلام'' میں فرماتے ہیں:

''الذي يتحرر انه بالنسبة لقواعد الحنفية والمالكية وتشديداتهم يكفر عندهم مطلقاً وأما بالنسبة لقواعدنا وماعرف من كلام أئمتنا فاللفظ ظاهر في الكفر وعند ظهور اللفظ فيه لا يحتاج إلى نيته كما علم من فروع كثيرة وإن أوّل قبل منه.'' (١٤٦، دار التقوى، سوريا)

نیز فرماتے ہیں:

''عملنا بما دلَّ عليه لفظه صريحاً وقلنا له أنت حيث أطلقت هذا اللفظ ولم تؤول كنت كافرا وإن كنت لم تقصد ذلك لأنا إنما نحكم بالكفر باعتبار الظاهر و قصدك وعدمه إنما ترتبط به الأحكام باعتبار الباطن فاللفظ إذا كان محتملا لمعان فإن كان في بعضها أظهر حمل عليه وكذا إن استوت ووجد لأحدها مرجح والإرادة وعدمها لا شغل

لنا بها. (اعلام، ص: ٦٤، دار التقوی، سوریا)

(''ترجمہ: ہم نے اس پر عمل کیا جس پر قائل کا کلام واضح طور پر دلالت کر رہا ہے اور ہم نے قائل سے کہا کہ تونے اس کلام کو مطلق طور پر کہا اور اس کی کوئی تاویل نہ کی تو تو کافر ہے اگر چہ تیری مراد کلام کا وہ معنی ظاہر نہیں، اس لیے کہ ہم (جماعت فقہا) کلام کے معنی ظاہر کے اعتبار سے کفر کا حکم صادر کرتے ہیں اور قصد اور عدم قصد سے احکام کا تعلق صرف باطن کے اعتبار سے ہوتا ہے تو لفظ میں جب چند معنوں کا احتمال ہو اور کسی معنی میں زیادہ ظاہر ہو یا سارے محتمل معانی برابر ہوں اور ان میں سے کسی ایک کے لیے وجہ ترجیح ہو تو اسی معنی اظہر یا راجح پر وہ لفظ محمول ہوگا ہمیں ارادہ اور عدم ارادہ سے سروکار نہیں۔''

مقدمہ ۳:- یہاں سے ظاہر ہوا کہ لفظ صریح میں تاویل مقبول نہ ہونا متفق علیہ ہے مگر متکلّمین کے طور پر صریح سے مراد متعیّن کہ مراد متعیّن اور تاویل سے مراد متعذر کہ غیر متعذر اور فقہا کے طور پر صریح متعیّن و متبین کو شامل اور تاویل متعذر اور بعید کو یوں ہی کسی قول کفری پر یہ حکم کہ اس میں کوئی تاویل کی جگہ بھی نہیں اگر بحث کلامی میں ہے تو مفاد تعیُّن اور جگہ نہ ہونا نفس احتمال کی نفی کہ کوئی دوسرا پہلو ہی نہیں اگر چہ بعید۔ اور بحث فقہی میں ہے تو مفاد تبیُّن اور جگہ نہ ہونا نفی تحمل یعنی قابل قبول نہیں خواہ راسًا احتمال ہی نہ ہو یا بعید ہو۔

مقدمہ ۴:- کفریت قول (قول کا کلمۂ کفر ہونا) مطلقًا مذہب کلامی میں کفر قائل نہیں کہ اسے تبیُّن کافی اور اسے تعین درکار، فتح القدیر، بحر الرائق و نہر الفائق و منح الروض میں ہے:

''ذلك المعتقد في نفسه كفر فالقائل به قائل بما هو كفر وإن لم يكفر.''

اس کے مثل ''مجمع بحار الانوار'' میں ازہری سے دربارۂ خلق قرآن منقول۔ خود امام الدیابنہ گنگوہی صاحب کے فتاوی حصہ اول، ص:۷۵ر میں ہے:

"ان افعال کو کفر ہی کہنا چاہیے مگر مسلم کے فعل کی تاویل لازم ہے۔"

یہ ہے وہ کہ "سل السیوف" وحواشی "کوکبۂ شہابیہ" میں فرمایا کہ:

اقوال کا کلمۂ کفر ہونا اور بات اور قائل کو کافر مان لینا اور بات۔"

اور جب یہ استلزام نہیں تو وہ احتیاط کلامی کے قائل سے کف لسان کی حامی قول پر حکم میں درکار نہیں بلکہ اس میں یہی احتیاط ہے کہ اس کی خباثت شناعت کفریت خوب آشکار کی جائے کہ عوام کی نگاہ میں کلمۂ کفر ہلکا نہ ہونے پائے: "وھو أحد محامل تشدیدات الفقھاء الکرام."(الموت الاحمر، ص:۴۹تا۵۱، ناشر: محمدی بک ڈپو)

مولوی اسماعیل دہلوی کی تکفیر سے سکوت کی وجہ

سیدنا سرکار حافظ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان کفر فقہی اور کفر کلامی کا فرق روشن کرتے ہوئے ،فقہا اور متکلّمین کے نزدیک صریح کے معنی کی توضیح کرتے ہوئے ، "الکوکبة الشھابیة" و "تمہید ایمان" کی عبارت کا فرق واضح کرتے ہوئے ، تاویل معتبر وغیر معتبر کو واشگاف فرماتے ہوئے اور تکفیر دہلوی سے سکوت کی وجہ بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"مولوی اسماعیل دہلوی کی تکفیر سے سکوت کی وجہ یہ ہے کہ ان کفریات خبیثہ ملعونہ کے متکلّم اور کلام میں شبہ ہے ، کلام میں شبہ یوں کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جیسے دریاے علم کی وسعت نظر میں کوئی ضعیف تر احتمال اور بعید تر پہلو صحیح نکلا۔ اور یہ معلوم نہیں کہ مولوی اسماعیل نے یہی ظاہری کفری پہلو مراد لیا ہے ، لہذا اس شبہ کی بنا پر کہ شاید مولوی اسماعیل کی مراد وہی بعید احتمال ہو، اعلیٰ حضرت نے احتیاطاً اسمٰعیل کی تکفیر سے سکوت فرمایا۔

فائدہ: اس شبہ سے کہ مولوی اسماعیل کے اقوال کفریہ میں کوئی بعید تر پہلو نکل سکتا ہے؛ لہذا یہ اقوال کفر کلامی نہیں ، اس سے دیوبندی "تقویۃ الایمان" وغیرہ کو عین اسلام ماننے

والے خوش نہ ہوں، ان کو اس سے کچھ فائدہ نہیں۔ وہ بعید تر احتمال اور ضعیف تر پہلو اعلیٰ حضرت جیسے بحر زخار کی نظر وسیع میں نکل سکے تو "تقویۃ الایمان" و "رسالہ یکروزی" وغیرہ کے ماننے والوں کو کیا مفید؟ دیوبندیوں کے بڑوں سے تو اسماعیل کے اقوال کفریہ کی صحیح تاویل ہو ہی نہ سکی؛ بلکہ اسماعیل کے "رسالہ یکروزی" کی عبارت پر خود دیوبندیوں نے کفر و جہالت کے فتوے دیے۔ مولوی محمود حسن صاحب سے لے کر مدرسہ دیوبند کے تمام مدرسین نے ملحد و زندیق لکھا، یہ فتوے ایک رسالہ میں شائع ہو چکے ہیں جس کا نام "دیوبندی مولویوں کا ایمان" ہے؛ لیکن جب معلوم ہوا کہ یہ قول امام الطائفہ کا ہے تو لرزہ براندام ہوئے اور کہا کہ ہائے اپنے امام ہی پر ہاتھ صاف کر دیا؛ مگر شخصیت پرستی کا برا ہو کہ بایں کفریات خبیثہ بھی مولوی اسماعیل کا دامن نہ چھوڑا۔

جب اکابر دیوبند اسماعیل کے کفری قول میں ایمانی پہلو نہ نکال سکے تو عوام کالانعام جُہّال ضُلّال تو کیا جانیں، کیا سمجھیں؟ سب ظاہری کفری پہلو ہی سمجھتے ہیں اور اس کو امام جانتے ہیں؛ لہٰذا اگر کسی وجہ سے مولوی اسماعیل کفر سے بچ بھی جائے تو "تقویۃ الایمان" و "رسالہ یکروزی" و "صراط مستقیم" وغیرہ پر ایمان لانے والے تو کفر کی دَلدل میں پھنسے ہی رہیں گے اور دوزخ کے کندے ہی بنیں گے۔

پھر مولوی اسماعیل کا بچنا بھی ایک ضعیف شبہ ہی کی بنا پر ہے کہ جمہور فقہا کرام کے نزدیک معتبر نہیں، وہ ایسے قائل کو کافر ہی کہتے ہیں، متکلّمین محتاطین تکفیر سے کف لسان فرماتے ہیں، تاہم اس کے قول کو کفر و ضلال ہی کہتے ہیں، قائل ان کے نزدیک بھی ضال و مُضل، گمراہ بد دین اور خلق خدا کی گمراہی کا سبب ہے نہ کہ شہید، امام، متقی، ولی کامل، ایسا ویسا ڈبل پیسہ۔

کفر فقہی اور کلامی میں فرق نہ سمجھنا یہ دیوبندیوں کی پرانی جہالت ہے، اسی جہالت کا ایک شعبہ یہ ہے کہ الکوکبۃ الشہابیہ اور تمہید الایمان میں فرق نہیں جانتے، حالاں کہ دونوں

کتابوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

تمہید الایمان کفر کلامی میں ہے اور الکوکبۃ الشہابیہ کفر فقہی میں ہے۔اس میں مصنف علام نے مولوی اسمٰعیل کے فقہی کفریات اور ان پر فقہی احکام بیان فرمائے ہیں۔

سوال ہی میں ہے: ہمارے فقہائے کرام، پیشوایان مذہب کے نزدیک ان پر اور ان کے پیشوا (مولوی اسمعیل) پر حکم کفر لازم ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔(الکوکبتہ الشہابیہ ص:۲)

جواب کے شروع ہی میں ہے: بلاشبہ وہابیہ اور ان کے پیشوا پر بوجوہ کثیرہ قطعاً یقیناً کفر لازم اور حسب تصریحات جماہیر فقہائے کرام ان پر حکم کفر ثابت (الکوکبۃ الشہابیۃ ص:۱۰)

اخیر میں صفحہ ۶۲ پر ہے: فرقہ وہابیہ اور اس کے امام (مولوی اسمٰعیل) بلاشبہ جماہیر فقہا کی تصریحات پر کافر اگرچہ ہمارے نزدیک مقام احتیاط میں اکفار سے کف لسان ماخوذ و مختار و مرضی و مناسب۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

غرضیکہ اول سے اخیر تک ساری کتاب کفر فقہی میں ہے، اسمٰعیل پر فقہی کفریات عائد ہیں، جمہور فقہا کے نزدیک مولوی اسمٰعیل کافر۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے متکلّمین محتاطین کا مسلک اختیار کیا اور اسمٰعیل کی تکفیر سے سکوت فرمایا، اس میں نہ کوئی تعارض ہے نہ تناقض۔ منح الروض میں ہے:

"عدم التکفیر مذھب المتکلمین والتکفیر مذھب الفقھاء فلایتحد القائل بالنقیضین فلا محذور" یعنی کفر فقہی پر تکفیر نہ کرنا متکلّمین کا مذہب ہے اور تکفیر کرنا فقہا کا مذہب ہے۔ پس جو شخص فقہا کے مسلک پر تکفیر بیان کرے اور خود احتیاطاً متکلّمین کا مسلک اختیار کرے اور تکفیر نہ کرے، اس میں کوئی خرابی نہیں۔

الکوکبۃ الشہابیۃ جب کہ کفر فقہی میں ہے اور اس میں اصطلاح فقہا پر کلام کیا گیا ہے تو اس میں صاف صریح کے وہی معنی ہوں گے جو فقہا کے نزدیک ہیں۔ صریح، کنایہ کا مقابل ہے اس کو ظہور کافی ہے، احتمال کی نفی ضروری نہیں۔

ہدایہ میں ہے:

"انت طالق ، لا يفتقر الى النية لأنه صريح فيه لغلبة الاستعمال ولو نوى الطلاق عن وثاق لم يدين في القضاء لأنه خلاف الظاهر ويدين فيما بينه وبين الله تعالى لأنه نوى ما يحتمله". یعنی "أنت طالق" وقوع طلاق میں نیت کا محتاج نہیں؛ کیوں کہ بوجہ غلبہ استعمال کے صریح ہے، اور اگر لفظ طلاق سے بندش کھولنے کی نیت کی تو قضاءً معتبر نہ ہوگی؛ کیوں کہ ظاہر کے خلاف ہے، اور عند اللہ معتبر ہوگی؛ اس لیے کہ اس معنی کی نیت کی ہے جس کا لفظ میں احتمال ہے۔

صاحب ہدایہ کی تصریح سے دو امر ظاہر ہوئے:

اول: یہ کہ صریح وہ لفظ ہے جس کے معنی ظاہر ہوں اگر چہ وہ دوسرے خفی معنی کا احتمال رکھتا ہو۔ دوسرے: یہ کہ فقہا اسی ظاہری معنی پر حکم کرتے ہیں، احتمال بعید ان کے نزدیک معتبر نہیں؛ لہذا الکوکبتہ الشہابیہ میں اسمٰعیل دہلوی کے اقوال کفریہ کے متعلق جس قدر لفظ، صاف، صریح وغیرہ وارد ہوئے، ان کا مطلب یہی ہے کہ یہ عبارتیں معانی کفریہ میں صاف ظاہر ہیں؛ اگر چہ دوسرا احتمال بھی بعید اور خلاف ظاہر ہو؛ مگر وہ چوں کہ عند الفقہا معتبر نہیں؛ لہذا فقہا کے نزدیک مولوی اسمٰعیل کافر ہی ہیں۔

"تمہید الایمان" چوں کہ کفر کلامی میں ہے، اس میں کلام متکلّمین کی اصطلاح پر ہے؛ لہذا اس میں "صریح" بمعنی "متعیّن" ہے یعنی کفری معنی ایسے متعیّن ہیں کہ کوئی بعید احتمال بھی صحیح نہیں نکل سکتا؛ لہذا اس میں اگر تاویل کی جائے گی تو غلط اور متعذر ہوگی، اور یہ تاویل متکلّمین کے نزدیک بھی مردود ہے۔ تمہید الایمان میں صریح کے معنی یہ ہوئے کہ وہ کفری معنی میں متعیّن ہے، اور تاویل بعید بلکہ ابعد بھی صحیح نہیں ہو سکتی، اور الکوکبتہ الشہابیہ کی یہ عبارت کہ "اس کھلی گستاخی میں کوئی تاویل کی جگہ بھی نہیں" چوں کہ مسلک فقہا پر ہے اور فقہا کے نزدیک تاویل بعید معتبر نہیں؛ لہذا تاویل قریب کینفی ہے اور صاف مطلب یہ ہے

کہ اسماعیل کی اس کفری عبارت میں فقہا کے نزدیک کوئی تاویل کی جگہ بھی نہیں؛ لہٰذا اگر متکلّمین کے نزدیک کوئی بعید تاویل ہو سکے تو وہ اس کے معارض نہیں۔

"تمہید الایمان" کے کفر کلامی کی اصطلاح کو "الکوکبتہ الشہابیہ" کے کفر فقہی سے لڑانا، یہ نری عداوت نہیں تو کوری جہالت ضرور ہے۔ع

"گر فرق مراتب نہ کنی زندیقی"

اس مختصر گزارش سے بفضلہ تعالیٰ آفتاب کی طرح روشن ہو گیا کہ الکوکبتہ الشہابیہ میں مولوی اسماعیل کے اقوال خبیثہ ملعونہ پر فقہی کفریات عائد (ہوتے ہیں) جمہور فقہا کے نزدیک مولوی اسماعیل کافر۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز کی وسعت نظر میں کوئی بعید سے بعید پہلو نکل سکا جس کی بنا پر مولوی اسماعیل کی تکفیر سے کف لسان فرمایا۔

مولوی اسماعیل دہلوی کی تکفیر سے سکوت کی ایک وجہ تو اوپر گزری۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ مولوی اسماعیل کے اقوال کفریہ خبیثہ سے ان کی توبہ مشہور ہے۔
چنانچہ فتاوی رشیدیہ مبوّب حصہ اول صفحہ ۱۲۱ پر مولوی رشید احمد گنگوہی کا مستفتی لکھتا ہے:

"ایک بات یہ مشہور ہے کہ مولوی اسماعیل صاحب شہید نے اپنے انتقال کے وقت بہت سے آدمیوں کے روبرو بعض مسائل تقویتہ الایمان سے توبہ کی ہے"۔

گنگوہی نے اس شہرتِ توبہ کا انکار نہیں کیا؛ بلکہ شہرتِ توبہ کو کاذبہ ٹھہرایا، چنانچہ صفحہ ۱۲۲ پر لکھتے ہیں:

"توبہ کرنا ان کا بعض مسائل سے محض افترا اہل بدعت کا ہے"۔

جب گنگوہی خود مانتے ہیں کہ بدعتیوں نے مولوی اسماعیل پر افترا کر کے یہ شہرت دے دی ہے کہ انھوں نے اپنے کفریات سے توبہ کر لی تھی تو شہرت حاصل ہو گئی، اب اس شہرت توبہ کی موجودگی میں احتیاط یہی ہے کہ مولوی اسماعیل دہلوی کی تکفیر سے احتیاطاً کفّ

لسان کیا جائے مگر ان کے اقوال کفریہ خبیثہ ملعونہ کو کفر و ضلال ہی کہا جائے گا۔

اعلیٰ حضرت وعلماے اہل سنت نے یہی کیا کہ ان اقوال کفریہ کو کفر و ضلال کہا اور شہرت توبہ کے شبہ کی بنا پر مولوی اسماعیل کی تکفیر سے کفّ لسان فرمایا، یہ دوسری وجہ بھی تکفیر سے سکوت کے لیے کافی اور نہایت معقول ہے"۔(ملخصاً العذاب الشدید لصاحب مقامع الحدید ص:۲۳۵-۲۴۰)

اقسام تاویل کی تعریف

اسی سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر دلیل کے ساتھ تاویل کی جارہی ہے تو تاویل صحیح و قریب ہے جو فقہا اور متکلّمین دونوں کے نزدیک مقبول ہے۔ اور اگر تاویل کی بنیاد کسی شبہہ پر قائم ہو تو تاویل فاسد وبعید ہے جو صرف متکلّمین کے نزدیک مقبول ہے جمہور فقہا کے نزدیک نہیں اور جہاں تاویل نہ کسی دلیل کے سبب ہو اور نہ شبہہ دلیل کے سبب ہو تو وہ تاویل باطل ومتعذر ہے جو فقہا و متکلّمین کسی کے یہاں مقبول نہیں۔

شرح "جمع الجوامع" میں ہے:

"فإن حمل علیه لدلیل فقریب أو لما یظن دلیلا ولیس بدلیل علیه فی الواقع ففاسد أو لا لشيء فلعب لا تاویل." (ص:۲۲)

"تاویل اگر کسی دلیل کے سبب ہو تو تاویل قریب ہے اور حقیقۃً دلیل نہ ہو مگر دلیل سمجھ کر (دلیل کے شبہہ کے سبب) تاویل کر رہا ہو تو "تاویل فاسد ہے" اور نہ دلیل کے سبب ہو اور نہ دلیل کے شبہہ کے سبب تو تاویل نہیں بلکہ استہزا اور مسخرہ ہے۔"

بالاتفاق تاویل مقبول

حاصل یہ کہ تاویل کی ان تینوں قسموں میں پہلی قسم (تاویل صحیح) فقہا و متکلّمین دونوں کے نزدیک بالاتفاق مقبول ہے۔ کمال الدین ابن ابی شریف کی "مسامرہ شرح مسایرہ" میں ہے:

"يقبل التاو يل إذا كان المعنى الذي أوَّله مفهوما من تخاطب العرب."(ص: ٤٩، الركن الأول في ذات الله تعالى، الأصل الثامن: أنه تعالى استوى على العرش، دار الكتب العلمية، بيروت)

"تاویل کردہ معنیٰ زبان وادب کے محاورہ سے قریب ہوتو تاویل مقبول ہوگی۔"

بالاتفاق تاویل نامقبول

اور تیسری قسم (تاویل باطل) بالاتفاق نامقبول ہے۔"شفاء العلیل" میں ہے:

"التأويل الباطل يتضمن تعطيل ما جاء به الرسول والكذب على المتكلم أنه أراد ذلك المعنى فتتضمن إبطال الحق وتحقيق الباطل ونسبة المتكلم إلى ما لا يليق به من التلبيس والألغاز مع القول عليه بلا علم أنه أراد هذا المعنى فالمتأول عليه أن يبيِّن صلاحية اللفظ للمعنى الذي ذكره أولا واستعمال المتكلم له في ذلك المعنى في أكثر المواضع حتى إذا استعمله فيما يحتمل غيره حمل على ما عهد منه استعماله فيه وعليه أن يقيم دليلا سالما عن المعارض على الموجب لصرف اللفظ عن ظاهره وحقيقته إلى مجازه واستعارته وإلا كان ذلك مجرد دعوى منه فلا تقبل."(الباب الرابع، ص:٨٢)

"تاویل باطل نبی کریم ﷺ کی لائی ہوئی شریعت کے بطلان پر مشتمل ہوتی ہے اور آپ پر یہ جھوٹا الزام لگاتی ہے کہ آپ نے یہ معنی مراد لیا ہے تو وہ (باطل تاویل) ضمناً حق کو باطل اور باطل کو حق قرار دیتی ہے اور آپ کی طرف ایسی دھوکہ دہی کی نسبت کرتی ہے جو آپ کی ارفع واعلیٰ شان سے حد درجہ بعید ہے اور بغیر جانے ہی آپ کی طرف غلط بات کا انتساب کرتی ہے کہ آپ نے یہ معنی مراد لیا ہے لہذا تاویل کرنے والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ یہ

بتائے کہ لفظ کے اندر اس کے بتائے ہوئے معنی کی صلاحیت ہے اور بہت سے مقامات پر وہ لفظ اس معنی میں استعمال ہوا ہے تا کہ یہاں اس معنی پر محمول کیا جا سکے، نیز ظاہری و حقیقی معنی کو چھوڑ کر مجاز و استعارہ مراد لینے کے لیے معارض سے سالم دلیل قائم کرنا بھی ضروری ہے ورنہ محض دعوی ہوگا جو قابل سماع نہ ہوگا۔"

اور دوسری قسم (تاویل فاسد) محققین فقہا اور متکلّمین متاطین کے نزدیک مقبول اور جمہور فقہا کے نزدیک نامقبول ہے۔ امام احمد رضا قدس سرہ فرماتے ہیں:

"لاجرم تاویل صحیح اگرچہ کتنی ہی بعید ہو متکلّمین قبول کریں گے۔"

کمال الدین ابن ابی شریف کی "مسامرہ شرح مسایرہ" میں ہے:

"يتوقف فيه إذا كان (المعنى الذي أوَّله) بعيدا (مفهوما من تخاطب العرب)." (ص: ٤٩، الركن الأول في ذات الله تعالى، الأصل الثامن: أنه تعالى استوى على العرش، دار الكتب العلمية، بيروت)

"تاویل کردہ معنی زبان و ادب کے محاورہ سے دور ہو تو توقف کیا جائے گا۔"

کسی شخص کی تکفیر ایک امر عظیم ہے

واضح رہے کہ کسی شخص کی تکفیر ایک امر عظیم ہے؛ اس لیے کسی کلمہ گو کی طرف کفر کی نسبت کرنے اور اسے کافر قرار دینے کے لیے یقین قطعی درکار ہے اور حصول یقین کے دو ہی طریقے ہیں: یا تو خود قائل کی زبان سے کلمۂ کفر سنا جائے، یا تواتر کے ذریعہ اس کا کفر ثابت ہو۔ بازاری افواہ یا کسی چھپی ہوئی کتاب میں کسی بات کے ہونے سے اس کا علم کافی نہیں، یہ ذرایع اس کے متواتر ہونے کی دلیل نہیں۔ اور خبر واحد کی بنیاد پر کسی خاص شخص کی تکفیر کلامی جزمی حتمی نہیں کی جا سکتی۔ "فتاوی حدیثیہ" میں ہے:

"لا يكفي في الكفر بالإنكار أن يقول له شخص أو أشخاص

لم يبلغوا عدد التواتر هذا واجب أو حلال أو حرام بل لا بد أن يتواتر عنده ذلك فإذا تواتر عنده كفر بالشك أو الإنكار.''(ص:۲۰۱)

''ایک شخص یا عدد تواتر سے کم چند اشخاص کسی کو یہ بتائیں کہ یہ فرض یا حلال یا حرام ہے اور وہ نہ مانے تو کافر نہیں؛ کیوں کہ کفر کے لیے بطور تواتر ثبوت ضروری ہے۔ ہاں کسی کے نزدیک کوئی بات ثابت ہو پھر وہ شک یا انکار کرے تو کافر ہو جائے گا۔''

نیز اسی میں ہے:

''وأما ما لم يتواتر منه شيء فيكفيه التصديق الإجماعي لما علمت من أن إنكاره قبل التواتر غير كفر.''

''جو چیزیں تواتر کے طور پر ثابت نہیں ان سے متعلق اجمالی تصدیق کافی ہے، اس لیے کہ غیر متواتر کا انکار کفر نہیں۔''

امام احمد رضا قدس سرہ فرماتے ہیں:

''بل هذا باب يحتاج إلى اليقين فإن الكلام فيمن عرف بالإسلام بل والعلم ولم يعرف ببدعة ولم يُرمَ بضلالة وليس لنا بهذا القول سند متصل إليه شفاهًا عن شفاه ولا علمنا اشتهار هذا القول عنه فى عصره فأوخذ عليه فحاول الجواب أو اختار السكوت لنستدلَّ بهذه على صحة هذا القول عنه فلا يكتفى فيه بنقل واحد بوسائط لا تعلم ولا يغنى اشتهار الطبع فإن مستنده إلى واحد مجهول وفوقه وسائط مجهولات نعم تحسين الظن بالنقَلة يطلب الاعتماد فيكتفى به حيث يكفى الظن أما في إكفار مثل من وصفنا فإن الظن لا يغنى عن الحق شيئا وتحسين الظن به أوجب منه بالنقلة المجاهيل وقد نص الإمام حجة الإسلام الغزالي في ''آفات اللسان'' من ''الإحياء'': ''لا تجوز نسبة مسلم إلى كبيرة من غير تحقيق نعم يجوز أن يقال: قتل ابن ملجم عليا

رضی الله تعالی عنه و قتل أبو لؤلؤ عمر رضی الله تعالی عنه فإن ذلك ثبت متواترا. (إنباء الحي أن کلامه المصون تبیان لکل شيء، حاشیۂ مفصله: الدولة المکیة بالمادة الغیبیة للإمام أحمد رضا قدس سره،ص: ٤٦٨، ٤٦٩، مطبوعه: امام احمد رضا اکیڈمی، بر یلی شریف)

''بلکہ (تکفیر) اس باب سے ہے جس میں یقین درکار ہے کیوں کہ گفتگو ان کے تعلق سے ہے جن کا مسلمان ہونا بلکہ عالم دین ہونا معلوم ہے، بدعت وضلالت کی تہمت تک نہیں جب کہ اس قول کی کوئی ایسی سند نہیں جو لگاتار متّصل ہو اور نہ ہی یہ معلوم کہ ان کے زمانہ میں یہ قول ان کی طرف منسوب ہو کر مشتہر ہوا جس پر ان سے مواخذہ ہوے اور انھوں نے جواب دینے کی کوشش کی یا سکوت اختیار کر لیا جس سے ہم یہ استدلال کر سکیں کہ یہ قول انھیں کا ہے۔ تو اس باب (تکفیر) میں غیر معلوم واسطوں سے کسی کا نقل کرنا کافی نہیں۔ رہا چھپ کر مشہور ہو جانا تو یہ بھی کافی نہیں کیوں کہ اس کا مدار بھی ایسے غیر معلوم شخص واحد پر ہے جس نے مجہول واسطوں سے نقل کیا ہے۔ہاں ناقلین سے متعلق حسن ظن اس بات کا مقتضی ہے کہ ان پر اعتماد کیا جائے تو جہاں ظن کارآمد ہے وہاں یہ کافی ہو گا لیکن ایسا شخص جو مذکورہ صفات سے متّصف ہو ان کی تکفیر کے سلسلے میں ظن قطعاً کافی نہیں اور ایسے شخص سے متعلق حسن ظن رکھنا مجہول ناقلین سے حسن ظن رکھنے کی بہ نسبت زیادہ مؤید ہے۔ حجۃ الاسلام امام غزالی نے ''احیاء العلوم'' کے اندر ''آفات اللسان'' کے بیان میں فرمایا ہے کہ **کسی مسلمان کی طرف بغیر تحقیق کبیرہ گناہ کی نسبت کر دینا جائز نہیں**۔ہاں یہ کہنا جائز ہے کہ ابن ملجم نے حضرت علی اور ابو لؤلؤ نے حضرت عمر کو قتل کیا ہے۔کیوں کہ یہ بات تواتراً ثابت ہے۔''

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

''کتاب کا چھپ جانا اسے متواتر نہیں کر دیتا کہ چھاپے کا اصل وہ نسخہ ہے جو کسی الماری میں ملا اس سے نقل کر کے کاپی ہوئی .... علما کے نزدیک ادنی درجہ ثبوت یہ

تھا کہ ناقل کے لیے مصنف تک سند مسلسل متّصل بذریعہ ثقات ہو............... علمائے کرام کا اجماع ہے کہ آدمی جس بات کی سند متّصل نہ رکھتا ہو اس کا نقل اسے حلال نہیں۔

ہاں اگر اس کے پاس نسخہ صحیحہ معتمدہ ہو کہ خود اس نے یا کسی ثقہ معتمد نے خود اصل نسخہ مصنف سے مقابلہ کیا یا اس نسخہ صحیحہ معتمدہ سے جس کا مقابلہ اصل نسخہ مصنف یا اور ثقہ نے کیا وسائط زیادہ ہوں تو سب کا اسی طرح کے معتمدات ہونا معلوم ہو تو یہ بھی ایک طریقہ روایت ہے اور ایسے نسخہ کی عبارت کو مصنف کا قول بتانا جائز...............

یہ اتصال سند اصل وہ شئ ہے جس پر اعتماد کرکے مصنف کی طرف نسبت جائز ہو سکے، اور متاخرین نے کتاب کا علما میں ایسا مشہور و متداول ہونا جس سے اطمینان کہ اس میں تغییر و تحریف نہ ہوئی، اسے بھی مثل اتصال سند جانا اور وہ ایسا ہی ہے۔

تداول کے یہ معنی کہ کتاب جب سے اب تک علما کے درس و تدریس یا نقل و تمسک یا ان کی مطمح نظر رہی ہو، جس سے روشن ہو کہ اس کے مقامات و مقالات علما کے زیر نظر آچکے اور وہ بحالت موجودہ اسے مصنف کا کلام مانا کیے، زبان علما میں صرف وجود کتاب کافی نہیں کہ وجود و تداول میں زمین و آسمان کا فرق ہے، پُر ظاہر کہ یہاں دونوں باتیں مفقود، تداول درکنار کوئی سند متّصل بھی نہیں، نہ کہ تواتر جو ایسی نسبت کے لیے لازم ہے، رہا وجود نسخ، انصافاً متعدّد بلکہ **کثیر و وافر قلمی نسخے موجود ہونا بھی ثبوت تواتر کو بس نہیں، جب تک ثابت نہ ہو کہ یہ سب نسخے جدا جدا اصل مصنف سے نقل کیے گئے یا ان نسخوں سے جو اصل سے نقل ہوئے** ورنہ ممکن کہ بعض نسخ محرفہ ان کی اصل ہوں، ان میں الحاق ہوا اور یہ ان سے نقل و نقل در نقل ہو کر کثیر ہو گئے۔ (فتاوی رضویہ، ۶۲۲/۲۱ تا ۶۲۵، رسالہ حجب العوار عن مخدوم بہار، امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی شریف)

اس سے معلوم ہوا کہ اگر یہ نہ معلوم ہو کہ قائل و فاعل نے ایسا کیا یا کہا یا لکھا یا معلوم تو ہے لیکن بذریعہ تواتر قطعی معلوم نہیں تو یہاں تکلم میں احتمال ہوگا۔ اسی طرح قائل کے کلام

کی زبان، اس کی علمی اصطلاحات اور فنی اسلوب سے ناواقفیت یا کم واقفیت کے سبب قائل کے کلام کے مطالب تک رسائی حاصل نہیں کر سکتا کہ قائل کے کلام کی زبان اس کی علمی اصطلاح وفنی اسلوب معلوم نہیں یا کم معلوم ہے تو یہاں کلام میں احتمال ہوگا اور اس احتمال کے سبب قائل کی تکفیر کلامی قطعی واجب نہ ہوگی کہ اگر قائل کی تکفیر نہ کی جائے تو اس پر کفر کا حکم عائد ہو اور ”من شك في كفره وعذابه فقد كفر“ کا مصداق ہو، اس لیے کہ احتمال فی الکلام، احتمال فی التکلم یا احتمال فی المتکلّم ان تینوں احتمالات میں سے کسی احتمال کے ہوتے ہوئے قائل کا ضروریات دین کا منکر ہونا قطعی ویقینی طور پر ثابت نہیں؛ اس لیے کہ یقین کے حصول کے لیے ان احتمالات کا معدوم ہونا لازم وضروری ہے۔ مذکورہ احتمالات میں سے کسی احتمال کے ہوتے ہوئے ”من شك الخ“ کا حکم متعلق نہ ہوگا، اس لیے کہ تکفیر کے لیے رفع احتمال اور علم یقینی کا حاصل ہونا ضروری ہے، مذکورہ احتمالات میں سے کسی احتمال کے ہوتے ہوئے ضروریات دین کا قطعی ویقینی طور پر انکار ثابت نہیں اور جب تک ضروریات دین کا قطعی ویقینی طور پر انکار ثابت نہ ہو قائل کی تکفیر نہ کی جائے گی۔

علم قطعی کا معنی

علم قطعی سے کیا مراد ہے نیز اصول دین اور عقاید اسلام میں کون سا علم مطلوب و درکار ہے؟ اس سلسلے میں ”توضیح“ میں ہے:

”اعلم أن العلماء يستعملون العلم القطعي في معنين: أحدهما: ما يقطع الاحتمال أصلاً كالمحكم والمتواتر. والثاني: ما يقطع الاحتمال الناشى عن الدليل كالظاهر والنص والخبر المشهور.“ (ص: ۱۳۷، فی آخر التقسیم الثالث، فی ظهور المعنى وخفائه، مجلس البركات، جامعه اشرفيه، مبارك پور)

”ارباب علم علم قطعی دو معنوں میں استعمال کرتے ہیں: **ایک** وہ جس میں جانب

مخالف کا بالکل احتمال نہ رہے۔ (نہ دلیل کے ساتھ اور نہ بلا دلیل) جیسے محکم و متواتر۔ **دوسرا** وہ جس میں جانب مخالف کا احتمال بالدلیل نہ ہو جیسے ظاہر و نص اور حدیث مشہور۔"

"فواتح الرحموت" میں ہے:

''عدم احتمال الانصراف أصلا ولو مرجوحا وهو اليقين بالمعنى الأخص وهو المراد في الاعتقاديات ''(ص:۳۲۲)

"جانب مخالف کا احتمال مرجوح بھی نہ ہو یہ یقین بالمعنیٰ الاخص ہے اور اعتقادی امور میں یہی یقین درکار ہے۔"

نیز اسی میں یقین بالمعنیٰ الاعم کے بارے میں ہے:

"والمعنى الأعم وهو الذي لا يحتمل المقابل احتمالا ناشيا عن دليل و بعد التبادر فاحتمال عدم الإرادة كاحتمال التاو يل في النص فلا اعتداد به."(فواتح الرحموت، ص:۳۲۸)

یعنی یقین بالمعنیٰ الاعم کا مطلب یہ ہے کہ اس میں جانب مخالف کا احتمال دلیل کے ساتھ نہ ہو اور معنی ظاہر مراد نہ ہونے کا احتمال قابل قبول نہیں جیسے نص میں تاویل کا احتمال۔

امام احمد رضا قدس سرہ اس کی کامل تحقیق کرتے ہوئے اور احتمال کے اقسام پر روشنی ڈالتے ہوئے اور یقین بمعنی اخص اور یقین بمعی اعم اور اس یقین کی توضیح کرتے ہوئے جسے دلیل سے پیدا شدہ احتمال ظن بنا دیتا ہے فتاوی رضویہ کے حاشیے میں فرماتے ہیں:

" إذا أذعنّا بشيئ فإن لم يحتمل خلافه أصلا كوحدانية الله تعالى وحقانية محمد صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فيقين بالمعنى الأخص وإن احتمل احتمالا ناشئا لا عن دليل كإمكان أن يكون الذى نراه ز يدا جنّيا تشكّل بشكله فبا لمعنى الأعم ومثل هذا الاحتمال لانظر إليه أصلا ولا ينزل العلم عن درجة اليقين أما الناشيئ عن دليل فيجعله ظنا والكل داخل فى الإذعان.

۱۲ منہ"(حاشیۂ فتاوی رضویہ مترجم، رسالہ: اَلْجُوْدُ الْحُلُوُّ فِیْ اَرْکَانِ الْوُضُوْءِ، کتاب الطهارة، ۱ / ۱۸۰، رضا اکیڈمی، ممبئی)

"جب ہمیں کسی بات کا اذعان حاصل ہو تو اگر (۱) اس کے خلاف کا بالکل احتمال نہ ہو جیسے اللہ تعالی کی وحدانیت اور محمد صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی حقانیت۔ تو یہ یقین بمعنی اخص ہے۔ اور اگر (۲) احتمال ہو مگر ایسا احتمال جو کسی دلیل کے بغیر پیدا ہوا ہو تو یہ یقین بمعنی اعم ہے۔ جیسے وہ جسے ہم زید یقین کر رہے ہیں اس کے بارے میں یہ احتمال ہو سکتا ہے یہ کوئی جن ہو جس نے زید کی شکل اختیار کر لی ہے۔ ایسا احتمال ذرا بھی قابل لحاظ نہیں ہوتا۔ نہ ہی یہ علم کو درجہ یقین سے نیچے لا سکتا، مگر جو احتمال کسی دلیل سے پیدا ہوا ہو، وہ یقین کو ظن بنا دیتا ہے۔ اور یہ تینوں ہی اذعان کے تحت داخل ہیں۔

نیز ایک اور مقام پر علم قطعی کا استعمال تحریر فرماتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"إن العلم القطعي يستعمل في معنيين:

أحدهما: قطع الاحتمال على وجه الاستيصال بحيث لايبقى منه خبر ولا أثر وهذا هو الأخص الأعلیٰ كما فی المحكم والمفسر والمتواتر وهو المطلوب في أصول الدين فلا يكتفى فيها بالنص المشهور .

والثاني: ان لايكون هناك احتمال ناش من دليل وإن كان نفس الاحتمال باقياً كالتجوز و التخصيص وسائر انحاء التاويل كما في الظواهر والنصوص والأحاديث المشهورة. **والأول:** يسمى علم اليقين و مخالفه كافر على الاختلاف في الإطلاق كما هو مذهب فقهاء الآفاق والتخصيص بضروريات الدين كما هو مشرب العلماء المتكلمين. و **الثانى:** علم الطمانية ومخالفه مبتدع ضال ولا مجال إلى إكفاره كمسئلة وزن الأعمال يوم القيمة...... وهكذا الظن له معنيان إذ مقابل الأعم أخص

والأعم أخص كما لا يخفى.... إذاعرفت هذا فمسئلتنا هذه إن أريد فيها القطع بالمعنى الأخص فهذا جبل وعرصعب المرتقى...... إذ لا نقول بإكفار المفضلة ...... أما الابتداع فيثبت بخلاف القطع بالمعنى الثاني وهو حاصل ...... أما قول من قال إنا وجدنا النصوص متعارضة فهذا إخبار عن نفسه إلخ ...... وبهٰذا التحقيق البديع الأنيق الذى خصنا به المولٰى تبارك وتعالٰى أمكن لنا التوفيق بين كلمات الائمة الكرام فمن قال بالقطع ونفى الظن فإنما أراد القطع بالمعنى الأعم والظن وبالمعنى الأخص وهو حق لا مرية فيه ومن عكس فقد عكس وهو صدق لاغبار عليه. فإن تخالج فى صدرك ان المسئلة من الاعتقاديات فكيف اكتفيتم بالقطع بالمعنى الثانى.

قلت: هذا أشد ورودًا على القائلين بالظن إن أرادوا الظن بالمعنى الأخص والحل ان المسئلة ليست من أصول الإسلام حتى يكفر جاحدها كمسئلة إمامة الخلفاء الراشدين رضى الله تعالٰى عنهم أجمعين.'' *(الزلال الانقی مشمولہ فتاوی رضویہ مترجم، ۲۱/۲۷۵،۲۷۶،۳۳، امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی شریف)*

''علم قطعی دو معنی میں مستعمل ہوتا ہے:

اول: یہ کہ احتمال بالکل ختم ہو جائے اور اس کا نام و نشان نہ رہے۔ (اس میں نہ تو دلیل کے ساتھ احتمال ہو نہ بلا دلیل) یہ قطعی بالمعنیٰ الاخص ہے۔ یہ اس محکم و مفسر میں ہوتا ہے جو متواتر ہیں۔ اصول دین اور عقاید اسلام میں یہی مطلوب ہے۔

دوم: احتمال تو ہے مگر بلا دلیل۔ جیسے: مجاز، تخصیص یا تاویل کی دوسری قسمیں جو ظاہر اور نص یا احادیث مشہورہ میں ہوتی ہیں، یہ قطعی بالمعنیٰ الاعم ہے

اول کا نام علم الیقین ہے اور اس کا منکر و مخالف کافر ہے۔ البتہ یہاں ایک

اختلاف ہے فقہا منکر کو علی الاطلاق کافر کہتے ہیں اور متکلّمین اس میں ضروریات دین کی قید لگاتے ہیں۔

دوم کا نام علم طمانیت ہے اس کا مخالف و منکر بدعتی و گم راہ ہے یہاں کافر کہنے کی گنجائش نہیں۔ جیسے قیامت میں اعمال کا تولا جانا، دیدار الٰہی، آسمانوں کی بلندی تک معراج جسمانی۔

اسی طرح ظن کے دو معنی ہیں: ظنی بالمعنیٰ الأخص، ظنی بالمعنیٰ الاعم۔

مسئلہ تفضیل قطعی بالمعنیٰ الاعم ہے اور ہم اس کے منکر کو کافر نہیں کہتے، البتہ بدعتی و گم راہ ہیں۔ اور جس نے یہ کہا کہ مسئلہ تفضیل میں نصوص متعارض ہیں لہذا استدلال ساقط تو ایسا قول ساقط الاعتبار ہے اگر اس کی مراد تعارض حقیقی ہے۔ رہا تعارض صوری تو اس سے مسئلہ پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔

اب بات واضح ہوگئی کہ ہمارے ائمہ کرام میں بعض نے جو مسئلہ تفضیل کو قطعی کہا اور ظنی کی نفی کی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ قطعی بالمعنیٰ الاعم ہے جس سے علم طمانینت حاصل ہوتا ہے۔ اور ظنی کی نفی سے ظنی بالمعنیٰ الاخص کی نفی ہے یعنی اس میں کوئی احتمال بالدلیل نہیں۔

اور جنھوں نے ظنی کہا اور قطعی کی نفی کی تو اس کا معنی یہ ہے کہ قطعی بالمعنیٰ الاخص نہیں جس میں سرے سے احتمال ہی نہیں ہوتا۔ یہ مسئلہ ایسا نہیں اور ظنی سے ظنی بالمعنیٰ الاعم مراد ہے جس میں احتمال تو ہوتا ہے مگر بلا دلیل۔ لہذا یہ اختلاف محض لفظی ہے۔

یہاں کسی کو یہ کھٹک ہو سکتی ہے کہ مسئلہ تو اعتقادی ہے پھر قطعی بالمعنیٰ الاعم یعنی ظنی بالمعنیٰ الاعم پر اعتماد کیوں کر روا ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ مسئلہ اصول اسلام سے نہیں جیسے خلفاے راشدین کی خلافت (کہ اصول اسلام سے نہیں)۔"

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

"وأنا أقول و بالله التوفيق بل القطع على ثلثة اوجه:

قطع عام یشترك فیه الخواص والعوام وهو الحاصل فی ضروریات الدین. وخاص یختص بمن مارس العلم وهو الحاصل فی سائر الفرائض الاعتقادیة المجمع علیها.

الثالث قطع اخص یختلف فی حصوله العلماء.کما اختلف فی حصول الثانی العوام والعلماء فربما یؤدی ذهن عالم إلی قرائن هجمت وحفت فرفعت عنده الظنی إلی منصة الیقین ولا تظهر ذلك لغیره او تظهر فتظهر له معارضات تردها إلی المرتبة الأولٰی من الظن واعتبره بمسئلة سمعها صحابی من النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم شفاهًا و بلغ غیره باخباره فهو قطعی عنده ظنی عندهم. فالمجتهد لایثبت الافتراض إلا بما حصل له القطع به فإن کان العلماء کلهم قاطعین به کان فرضا اعتقادیا وإن کان قطعاً خاصاً بهذا المجتهد کان فرضا عملیا هذا ما ظهر لی وأرجو أن یکون صوابا إن شاء اللہ تعالٰی وإلیه أشرت فیما قررت فاعرف.“ (فتاوی رضویہ مترجم، الجود الحلو فی ارکان الوضوء، کتاب الطہارۃ، رضا اکیڈمی، ممبئی)

”اور میں کہتا ہوں. وباللہ التوفیق۔

بلکہ قطعیت کی تین صورتیں ہیں:

(۱)عام قطعیت جس میں عوام و خواص سب شریک ہوں، یہ ضروریاتِ دین میں ہوتی ہے۔

(۲)خاص قطعیت جو علم سے شغف رکھنے والوں کے ساتھ خاص ہے، یہ وہ ہے جو دیگر اجماعی فرائضِ اعتقادیہ میں ہوتی ہے۔

(۳)اخص قطعیت، جس کا حصول عُلما میں کسی کو ہوتا ہے کسی کو نہیں ہوتا، اس لحاظ سے ان کے درمیان باہم فرق ہوتا ہے، جیسے قسم دوم کے حاصل ہونے میں

عوام اور علما کے درمیان فرق ہوتا ہے۔ بارہا ایسا ہوتا ہے کہ ایک عالم کا ذہن کچھ ایسے قرائن پا لیتا ہے جو دلیل کے گرد احاطہ و ہجوم کیے ہیں جن کے باعث اس کے نزدیک وہ دلیل ظنی درجہ یقین تک پہنچ جاتی ہے اور وہ قرائن دوسرے عالم پر عیاں نہیں ہوتے یا عیاں ہوتے ہیں تو ان کے کچھ معارض قرائن بھی اس کے سامنے جلوہ نما ہوتے ہیں جو دلیل کو پھر اسی درجہ ظن پر لوٹا دیتے ہیں۔ اسے یوں سمجھیے کہ ایک مسئلہ ہے جسے کسی صحابی نے خود زبان رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سُنا اور دوسروں کو اس صحابی کے بتانے سے معلوم ہوا تو اس صحابی کے نزدیک وہ قطعی ہے اور دوسروں کے نزدیک ظنی ہے۔ تو مجتہد فرضیت کا اثبات اسی دلیل سے کرتا ہے جس کے متعلق اسے قطعیت حاصل ہو چکی ہے۔ اگر یہی قطعیت تمام علما کے نزدیک حاصل ہے تو وہ فرضِ اعتقادی ہے اور اگر یہ قطعیت خاص اسی مجتہد کو حاصل ہے تو اس کے نزدیک وہ فرضِ عملی ہے۔ یہ وہ ہے جو مجھ پر منکشف ہوا، اور امید رکھتا ہوں کہ ان شاء اللہ تعالیٰ درست ہوگا، اسی کی طرف میں نے اپنی تقریر بالا میں اشارہ کیا ہے۔ تو اس سے باخبر رہیے۔" (ت)

رہا یہ کہ کوئی شخص کلمۂ کفر بولا اور یہ نہ جانا کہ کلمۂ کفر ہے تو کیا جہالت کی وجہ سے وہ معذور ٹھہرے گا اور کافر نہ ہوگا تو اس سلسلے میں "المعتقد المنتقد" میں ہے:

"کوئی شخص کوئی کلمہ بولا اور یہ نہ جانا کہ وہ کلمۂ کفر ہے تو "فتاوی قاضی خاں" میں بغیر کسی (صریح) ترجیح کے اختلاف کی حکایت کی؛ اس لیے کہ قاضی خاں نے فرمایا: وہ شخص کافر نہ ہوگا؛ اس لیے کہ وہ جہالت کی وجہ سے معذور ہے اور یہ بھی کہا گیا کہ وہ کافر ہے اور جہالت و لاعلمی کے سبب معذور نہ ٹھہرے گا۔"

ملا علی قاری نے فرمایا:

اقول: اور قول اول ظاہر تر ہے مگر اس صورت میں جب کہ بات اس قبیل سے ہو جس کا دین سے ہونا عام و خاص کو ضرورتاً (بدیہی طور پر) معلوم ہو تو وہ شخص اس صورت میں کافر ہوگا اور اس کی جہالت و لاعلمی صالح عذر نہ ہوگی۔

(نیز فرمایا) اقول: اور "خلاصہ" میں ہے: کسی نے کہا: میں ملحد ہوں، کافر ہو گیا۔ اور "محیط وحاوی" میں ہے: (وہ کافر ہو گیا) اس لیے کہ ملحد کافر ہے (اور اس نے اپنے ملحد ہونے کا اقرار کیا) اور اگر یہ کہتا ہے کہ میں نہ جانتا تھا کہ یہ کلمۂ کفر ہے اس بات سے وہ معذور قرار نہ پائے گا، یعنی حکم قضا میں۔ جی میں چھپی ہوئی باتوں کی خبر اللہ کو ہے۔ (یہاں تک ملا علی قاری کی عبارت ہے۔)
(المعتقد المنتقد مترجم، ص: ۳۱۲، ۳۱۳)

اس سے معلوم ہوا کہ ضروریات دین میں جہالت و لاعلمی صالح عذر نہیں اور غیر ضروریات دین میں صالح عذر ہے؛ اس لیے کہ قاضی خاں کا قول اول کو مقدم فرمانا ترجیح کی دلیل ہے اور اسی کو ملا علی قاری نے ظاہر تر فرمایا۔ امام احمد رضا قدس سرہ فرماتے ہیں:

"یعنی صریح ترجیح ذکر کیے بغیر اختلاف کو ذکر کیا ورنہ انھوں (قاضی خاں) نے اپنے فتاوی کے خطبے میں پہلے ہی فرمایا کہ اظہر واشہر کو مقدم کریں گے اور طحطاوی پھر شامی نے تصریح کی کہ قاضی خاں جس کو پہلے ذکر کریں وہی معتمد ہے۔" (المستند المعتمد مترجم، ص: ۳۱۲)

رہا یہ کہ کفریات میں زبان کی لغزش کا دعوی اور نشہ کا عذر مقبول ہے یا نہیں اس سلسلے میں "المعتقد المنتقد" میں ہے:

"یا تنگ دلی کی وجہ سے یا خلاف شرع کی وجہ سے یا نگہ داشت اور زبان پر قابو میں کمی کی وجہ سے وہ (کلمہ کفر) بول گیا تو اس وجہ کا وہی حکم ہے جو وجہ اول کا ہے۔ قتل بے تردد؛ اس لیے کہ کفر بولنے میں جہالت کے سبب کوئی معذور نہیں ٹھہرتا۔" (المعتقد المنتقد مترجم، ص: ۳۰۸، ۳۰۹)

اس پر امام احمد رضا قدس سرہ فرماتے ہیں:

"یعنی مذکورہ اعذار جیسے تنگ دلی یا نشہ یا لاپرواہی یا سبقت لسانی کا دعوی جیسا کہ "شفا" میں ہے ان کے سبب معذور نہ قرار پائے گا اور ملا علی قاری نے سبقت لسانی کے دعوی میں صاحب شفا سے یہ کہہ کر اختلاف کیا کہ بھول چوک معرض بیان میں عذر ہے، الخ"۔

اَقول: آپ پر اللہ کی رحمت ہو، لغزش زبان میں آپ نے صاحب شفا کی طرف سے

لفظ دعوی کی زیادتی پر غور نہ کیا؛ اس لیے کہ اللہ جس کے بارے میں یہ جانے کہ اس نے دل سے کہنے کا ارادہ کیا کہ اے اللہ تو میرا رب ہے اور میں تیرا بندہ، پھر فرط خوشی میں خطا کر بیٹھا اور بات الٹ دی تو اس پر اس کے رب کے نزدیک عتاب نہیں، رہے **ہم تو اگر اس دعوی سے آدمی کو معذور جانیں تو شرعی احتیاط کا دروازہ بند ہو جائے گا اور خطاب شرع منقطع ہو جائے گا اور دنیا کے کتے علانیہ دشنام دینے پر جری ہو جائیں گے تو یہی وہ ہے جو "قاضی" نے مراد لیا اور راستی کو پہنچے**۔ واللہ تعالی اعلم بالصواب.

پھر تمھیں معلوم ہو کہ عذر نشہ کے نامقبول ہونے پر اس حدیث سے اشکال آتا ہے جو بخاری و مسلم میں ہے یعنی سیدنا حمزہ رضی اللہ تعالی عنہ کے شراب پینے کا قصہ اور سیدنا علی کرم اللہ تعالی وجہہ کی دو اونٹیوں کے کوہان کاٹ دینا اور حمزہ کا یہ کہنا کہ تم تو میرے باپ کے غلام ہو تو نبی ﷺ نے ان سے ان کی بات پر مواخذہ نہ فرمایا اور یہ فرمایا کہ وہاں سے پھرے کہ حمزہ نشے میں ہے تو اشکال کا جواب امام قاضی عیاض نے یہ دیا کہ شراب اس وقت حرام نہ تھی یعنی بلکہ یہی قصہ شراب کے حرام ہونے کا سبب ہوا۔ قاضی عیاض نے فرمایا: لہذا شراب پینے سے جو باتیں سرزد ہوئیں ان میں کوئی گناہ نہ تھا اور اس کے نتیجے میں جو رونما ہوتا معاف تھا، جیسے نبیذ سے اور جس دوا میں نشے کا اندیشہ نہ ہو ایسی دوا کے پینے سے ہونے والی بات معاف ہے اھ۔

اور اس جواب پر یہ اعتراض ہوا کہ شراب اگر چہ اس وقت حرام نہ تھی پھر بھی نشہ تو حرام اور اس کا جواب یہ دیا گیا (کہ ابتداے اسلام میں) حرمت نشہ کی روایت صحیح نہیں اگر چہ مشہور ہے، "نسیم الریاض" میں اس جواب کو نقل کیا اور اس میں غور کرنے کا حکم دیا۔

اقول: کیوں نہیں، حرمت نشہ یقینی ہے ہمیشہ سے چلی آتی ہے بلکہ قبح نشہ، ہم ماتریدیہ کے نزدیک عقلی ہے اور خداے حکیم کی شان نہیں کہ کبھی اس کو مباح فرمائے؛ اس لیے کہ نشے کے مباح ہونے میں تمام ظاہر و پوشیدہ بے حیائیوں کی اباحت ہے؛ اس لیے کہ برائی سے روکنے والی چیز باذن خداوندی عقل ہی ہے اب اگر کسی کی عقل زائل ہو گئی تو وہ جو چاہے کرے، کیا تم نے

وہ کلمہ نہ سنا جو نبیوں کے زمانے میں چلا آرہا کہ "جب تو بے شرم ہو تو جو چاہے کر۔" اب ایسے شخص سے کسی جان کا ناحق قتل بعید ہے، نہ کسی محرم عورت سے زنا کرنا، اور نہ بت کو سجدہ کرنا مستبعد ہے تو کیسے ہو سکتا ہے کہ کوئی الٰہی شریعت ایسی چیز کی اباحت لائے اور اس سے اللہ کی پناہ، باوجودیکہ علما نے صاف فرمایا کہ عقل و نسب اور اپنی جان و ایمان کی حفاظت تمام شریعتوں میں بالاجماع واجب ہے۔

بلکہ تحقیقی جواب وہ ہے جو میں کہتا ہوں: اس زمانے میں شراب بیشک حرام نہ تھی، ہاں نشہ حرام تھا اور شراب پینے والے غیر ارادی طور پر نشے میں پڑ جاتے تھے یوں کہ تھوڑی جس سے نشہ نہ ہو پی لی، پھر پی، پھر اور پی اور ہر بار انھیں گمان یہ تھا کہ یہ نشہ نہ لائے گی، تو ایک مرتبہ یہ اتفاق ہوا کہ بے ارادہ وہ مقدار نشے کی حد کو پہنچ گئی؛ اس لیے کہ نشہ بھی برخلاف توقع باطن میں پوشیدہ استعداد کی وجہ سے ناشی ہوتا ہے جس پر نفس کو اطلاع نہیں ہوتی تو ایسا نشہ بوجہ عدم قصدِ حرام معاف تھا **پھر جب درخشندہ شریعت مطلقاً سدّ ذریعہ کا حکم لائی اصلاً شراب پینے والے کے لیے کوئی عذر نہ رہا، تو نشہ آور چیز کو قصداً پینے والا ان تمام باتوں کا قاصد ٹھہرا جو اس سے حالت نشہ میں صادر ہوتی ہیں؛ اس لیے کہ اس نے سبب حرام کو عمداً اختیار کیا باوجودیکہ اس کے برے اثرات اسے معلوم تھے۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔**

امام قاضی عیاض فرماتے ہیں: ابوالحسن قابسی نے اس شخص کے بارے میں جس نے نشے کی حالت میں نبی ﷺ کو دشنام دی یہ فتویٰ دیا کہ اس شخص کو قتل کیا جائے گا؛ اس لیے کہ اس کے بارے میں یہ گمان ہے کہ وہ اس دشنام کا معتقد ہے، یا حالت بیداری میں اس کا ارتکاب کرتا ہے الخ، ملا علی قاری نے فرمایا: اس لیے کہ ہر برتن سے وہی ٹپکتا ہے جو اس میں ہوتا ہے، اور یہ حکم اس کے ساتھ سوئے ظن پر مبنی ہے حالاں کہ ایسی بات اس کو لازم نہیں؛ اس لیے کہ مست اپنے نشے کی حالت میں کبھی اپنی ماں اور بیٹی اور ان دونوں کے مثل محرم کا قصد کرتا ہے حالاں کہ اس سے یہ گمان نہیں کہ وہ ایسا کلام حالت بیداری میں کرے۔ اھ

اَقول: عورت کی طرف میلان طبعی امر ہے اور **حلال و حرام کا فرق کرنا عقل کا کام ہے تو جب عقل زائل ہو جاتی ہے طبیعت باقی رہتی ہے جو چوپایوں کی طرح اس میں اور اس میں فرق نہیں کرتی اور کلام کا معاملہ ایسا نہیں**، اس لیے کہ وہ طبیعت سے ناشی نہیں ہوتا بلکہ اس کے لیے عقل مدبر ضروری ہے یا ایسی عادت جس سے بغیر تفکر کے کلام صادر ہو اسی لیے اس شخص کے بارے میں جس پر جنون طاری ہوتا ہے یہ مشاہدہ ہے کہ جنون میں وہ شخص وہی دہراتا ہے جس کا حالت صحو (ثبات عقل) میں عادی رہا، اب مسلم اگر پاگل ہو جائے والعیاذ باللہ تعالیٰ تو جب قسم کھائے گا تو اللہ ہی کی قسم کھائے گا اور مجنون مشرک اپنے دیوتاؤں کی قسم کھائے گا، اس مثال کے ساتھ وہ باتیں ضم ہیں جن کے بارے میں مشاہدہ ہے کہ پاگل وہی کرتا ہے جس کا حالت افاقہ میں عادی ہوتا ہے اور ہم نے ایک رافضی عورت کو دیکھا جو پاگل ہوگئی تھی تو کھلم کھلا صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو برا کہتی تھی جنون نے اس کی وہ بات ظاہر کر دی جو وہ چھپاتی تھی اور ایسی بات کسی ایسے سنّی سے نہ سنی گئی جس پر جنون طاری ہوا، والعیاذ باللہ تعالیٰ بلکہ اور کسی مجنون کافر سے بھی نہیں؛ اس لیے کہ وہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو برا کہنے کا عادی نہ تھا۔

(المستند المعتمد مترجم، ص:۳۰۹ تا ۳۱۱)

کسی شخص معین کی تضلیل کب اور کن امور پر کی جائے گی

رہا یہ کہ کسی شخص معین کی تضلیل کب کی جائے گی اور کن امور پر تو گذشتہ سطور میں یہ واضح ہو چکا کہ ''ضروریات مذہب اہل سنت'' کے منکر کی تضلیل کی جائے گی۔ اگر کوئی شخص کسی ایسے اجماعی یا ایسے قطعی الثبوت مسئلہ کا انکار کرتا ہے جو دلائل و براہین کے ذریعہ درجہ یقین کو پہنچا مگر ضروریات دین اسلام سے نہیں تو محققین فقہا اور متکلّمین کے نزدیک اسے گمراہ و بدمذہب قرار دیا جائے گا۔

امام احمد رضا قدس سرہ فرماتے ہیں:

"دوم ضروریات عقائد اہل سنت: ان کا منکر بد مذہب گمراہ ہوتا ہے۔"
(فتاوی رضویہ کامل:۲۵۸/۱۸)

نیز فرماتے ہیں:

"دوم ضروریاتِ مذہبِ اہلسنت و جماعت: ان کا ثبوت بھی دلیل قطعی سے ہوتا ہے۔ مگر ان کے قطعی الثبوت ہونے میں ایک نوعِ شبہہ اور تاویل کا احتمال ہوتا ہے اسی لیے ان کا منکر کافر نہیں بلکہ گمراہ، بدمذہب، بددین کہلاتا ہے۔" (فتاوی رضویہ مترجم:۳۸۵/۲۹)

نیز فرماتے ہیں:

"اور لزومی یہ کہ جو بات اس نے کہی عین کفر نہیں مگر منجر بکفر ہوتی ہے یعنی مآل سخن ولازم حکم کو ترتیب مقدمات و تتمیم تقریبات کرتے لے چلیے تو انجام کار اس سے کسی ضروری دین کا انکار لازم آئے جیسے روافض کا خلافت حقہ راشدہ خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت جناب صدیق اکبر و امیر المومنین حضرت جناب فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے انکار کرنا کہ تضلیل جمیع صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی طرف مؤدی اور وہ (تضلیل جمیع صحابہ) قطعاً کفر مگر انھوں نے صراحۃً اس لازم (تضلیل جمیع صحابہ جو قطعاً کفر ہے) کا اقرار نہ کیا تھا بلکہ اس سے صاف تحاشی کرتے اور بعض صحابہ یعنی حضرات اہل بیت عظام وغیرہم چند اکابر کرام علی مولاھم وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کو زبانی دعووں سے اپنا پیشوا بناتے اور خلافت صدیقی و فاروقی پر ان کے توافق باطنی سے انکار رکھتے ہیں اس قسم کے کفر میں علما اہلسنت مختلف ہو گئے جنھوں نے مآل مقال و لازم سخن کی طرف نظر کی حکم کفر فرمایا اور **تحقیق یہ ہے کہ کفر نہیں بدعت و بدمذہبی و ضلالت و گمراہی ہے**، والعیاذ باللہ رب العالمین." (فتاوی رضویہ مترجم:۱۵/۴۳۱-۴۳۲)

نیز فرماتے ہیں:

"غرض ضروریات کے سوا کسی شے کا انکار کفر نہیں، اگرچہ ثابت بالقواطع ہو کہ

عندالتحقیق آدمی کو اسلام سے خارج نہیں کرتا مگر انکار اُس کا جس کی تصدیق نے اُسے دائرہ اسلام میں داخل کیا تھا اور وہ نہیں مگر ضروریاتِ دین کما حققه العلماء المحققون من الأئمة المتكلمين . ولہذا خلافت خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا منکر مذہب تحقیق میں کافر نہیں حالانکہ اُس کی حقانیت بالیقین قطعیات سے ثابت۔"

(فتاوی رضویہ مترجم:۱۰۱/۵، رضا اکیڈمی، ممبئی)

نیز فرماتے ہیں:

"اور جو کہے کہ اس (اللہ تعالی) کے "ید وعین" بھی ہیں تو جسم ہی مگر نہ مثل اجسام، بلکہ مشابہتِ اجسام سے پاک ومنزہ ہیں وہ گمراہ بددین کہ اللہ عزوجل کا جسم وجسمانیات سے مطلقاً پاک ومنزہ ہونا ضروریات عقائد اہلسنت وجماعت سے ہے۔"

(فتاوی رضویہ مترجم:۲۹/ ۴۱۳-۴۱۴، رضا اکیڈمی، ممبئی)

اس سے صاف صاف ظاہر کہ ضروریات مذہب اہل سنت کا منکر کافر نہیں بلکہ گم راہ وبدمذہب ہے۔ اس لیے کہ یہاں علم الیقین نہیں جس میں نہ شبہہ کی گنجائش ہو اور نہ تاویل کو راہ بلکہ علم طمانینت حاصل ہے کہ جس دلیل قطعی سے ان کا ثبوت ہوا ہے ان کے قطعی الثبوت ہونے میں ایک نوع شبہہ اور تاویل کا احتمال ہے کہ ظاہر ونص میں احتمال بلا دلیل رہتا ہے اور یہ احتمال ظاہر ونص کے قطعی ہونے کا منافی نہیں۔ امام احمد رضا قدس سرہ فرماتے ہیں:

"واحتمال بلا دليل لا ينزل التنزيل عن درجة برهان قاطع جليل ألا ترى أن كل نص يحتمل التاويل وهو مع ذلك قطعي قطعا كما صرح به أئمة الأصول." (الزلال الأنقی،۲۱/ ۳۷۵، امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی شریف)

"اور احتمال بے دلیل تنزیل کو برہان قاطع جلیل کے درجے سے نازل نہیں کرتا۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ ہر نص تاویل کی محتمل ہے اور وہ اس کے باوجود یقیناً قطعی ہے جیسا کہ ائمہ اصول نے اس کی تصریح کی۔"

"فواتح الرحموت" میں ہے:

"إن الظاهر قطعي عندنا بمعنى أنه لا يحتمل خلافه ناشيا عن دليل وإن كان فيه مطلق الاحتمال." (ص:۵۷۴)

"ہمارے نزدیک ظاہر کے قطعی ہونے کا یہ معنی ہے کہ اس میں اس کے خلاف معنی کا احتمال بالدلیل نہیں رہتا اگرچہ اس میں مطلق احتمال ہوتا ہے۔"

البتہ تاویل کے ساتھ امر قطعی کا انکار ہو تو اس کی تکفیر میں اختلاف ہے جیسا کہ گذرا کہ بہت فقہا و متکلّمین اس کی تکفیر کے قائل ہیں مگر محققین فقہا اور متکلّمین اس کی تکفیر کے قائل نہیں کہ تاویل کی وجہ سے شبہہ پیدا ہوتا ہے علم طمانینت میں احتمال بلا دلیل ہوتا ہے اور متکلّمین کے نزدیک احتمال بلا دلیل معتبر ہے اور فقہا کے نزدیک یہ احتمال معتبر نہیں، "لأن الاحتمال الغير الناشي عن دليل لا يعتبر." (توضیح، ص:۶۳۰، مطبوعہ مجلس برکات، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور)

ضروریات مذہب اہل سنت و جماعت

اب ضروریات مذہب اہل سنت کسے کہتے ہیں؟ تو ضروریات مذہب اہل سنت وہ مسائل ہیں جن کا مذہب اہل سنت و جماعت سے ہونا عوام و خواص سب کو معلوم ہو، ساتھ ہی ان کا ثبوت دلیل قطعی سے ہو مگر ان کے قطعی الثبوت ہونے میں ایک نوع شبہہ اور احتمالِ تاویل ہو۔ جیسے عذاب قبر، اعمال کا تولا جانا، قیامت کے دن رویت باری تعالی کے ثبوت کا اعتقاد، اللہ عزوجل کا جسم و جسمانیات سے مطلقاً پاک ہونا۔ کرامات اولیا کا انکار وغیرہ۔

آپ ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

"مگر اس (یزید پلید علیہ ما یستحقہ من العزیز المجید) کے فسق و فجور سے انکار کرنا اور امام مظلوم (حضرت حسین رضی اللہ تعالی عنہ) پر الزام رکھنا ضروریات مذہب اہل سنت کے خلاف ہے اور ضلالت و بدمذہبی صاف ہے، بلکہ انصافاً یہ اس قلب سے متصور نہیں جس میں محبت

سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا شمّہ ہو۔(فتاوی رضویہ مترجم:۱۴/۵۹۲، برکات رضا، پوربندر، گجرات)

شیخ مغیسادی کی شرح فقہ اکبر میں ہے:

"من أنكر المعراج إلى السماء فهو مبتدع ضال لأن عروج رسول الله عليه الصلاة والسلام بجسده في اليقظة إلى السماء ثابت بالخبر المشهور وهو قريب الخبر المتواتر في القوة."(ص: ٤٨)

"حضور کی معراج جسمانی کا منکر گمراہ وگم راہ گر ہے، اس لیے کہ بیداری کی حالت میں جسد اقدس کے ساتھ آپ کا آسمان پر جانا ایسی احادیث مشہورہ سے ثابت ہے جو قوت میں قریب بہ متواتر ہیں۔

"خلاصہ" میں ہے:

"إن أنكر المعراج ينظر إن أنكر الإسراء من مكة إلى بيت المقدس فهو كافر ولو أنكر المعراج من بيت المقدس لا يكفر لأن الإسراء من مكة إلى بيت المقدس ثبت بدليل قاطع من الكتاب .... وأما المعراج من بيت المقدس لم يثبت بدليل قاطع من الكتب فيكون منكره مبتدعا ضالاً."(١/ ١٤٩، كتاب الصلاة، الفصل الخامس عشر في الإمامة والاقتداء، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ، پاکستان)

"معراج کے منکر کو دیکھا جائے کہ مکہ مکرمہ سے بیت المقدس تک کی معراج کا انکار کر رہا ہے یا بیت المقدس سے آسمان تک کی معراج کا اگر مکہ سے بیت المقدس تک کی معراج کا انکار کر رہا ہے تو وہ کافر ہے۔ اور اگر بیت المقدس سے آسمان تک کی معراج کا انکار کر رہا ہے تو وہ کافر نہیں، کیوں کہ مکہ سے بیت المقدس تک کی معراج قرآن کریم کی دلیل قطعی سے ثابت ہے۔۔۔۔۔ اور بیت المقدس سے آسمان تک کی معراج قرآن کی دلیل قطعی سے ثابت نہیں، اس لیے اس کا منکر بدعتی وگم راہ ہوگا۔

جن صورتوں میں انکار کفر نہیں

''نور العین'' پھر اس سے ''فتاویٰ حدیثیہ'' میں منقول ہے:

''إذا لم تكن الآية والخبر المتواتر القطعى الدلالة أو لم يكن الخبر متواترا أو كان قطعيا لكن شبهة أو لم يكن الإجماع إجماع الجميع أو كان ولم يكن إجماع الصحابة أو كان ولم يكن إجماع جميع الصحابة أو كان إجماع جميع الصحابة ولم يكن قطعيا بأن ثبتت بطريق التواتر أو كان قطعيا لكن كان إجماعا سكوتيا ففي كل من هذه الصور لا يكون الجحود كفرا. يظهر ذلك لمن نظر في كتب الأصول.'' (فتاویٰ حدیثیہ، ص:۴۳۹)

''جب آیت یا حدیث متواتر قطعی الدلالہ نہ ہو یا حدیث متواتر ہی نہ ہو یا قطعی الدلالہ تو ہو لیکن شبہہ ہو یا اجماع سب کا اجماع نہ ہو، یا سب کا اجماع تو ہو لیکن صحابہ کا اجماع نہ ہو، یا صحابہ کا اجماع ہو مگر تمام صحابہ کا اجماع نہ ہو، یا تمام صحابہ کا اجماع تو ہو مگر قطعی نہ ہو کہ بطریق تواتر ثابت نہ ہو، یا قطعی تو ہو لیکن اجماع سکوتی ہو تو ان تمام صورتوں میں انکار کفر نہ ہو گا۔ کتب اصول پر نظر رکھنے والے پر یہ ظاہر وروشن ہے۔''

''کلیات ابوالبقا'' میں ہے:

''خرق الإجماع القطعي الذي صار من ضروريات الدين كفر ولا نزاع في إكفار منكر شيء من ضروريات الدين وإنما النزاع في إكفار منكر القطعي بالتأويل فقد ذهب إليه كثير من أهل السنة من الفقهاء والمتكلمين ومختار جمهور أهل السنة منهما عدم تكفير أهل السنة المبتدعة المؤولة في غير الضرورية لكون التأويل شبهة كما في خزانة الجرجاني و المحيط البرهاني و أحكام الرازي وأصول البزدوي ورواه

الكرخي والحاكم الشهيد عن الإمام أبي حنيفة والجرجاني عن الحسن بن زياد وشارح المواقف والمقاصد والآمدي عن الشافعي والأشعري لا مطلقا.'' (ص:۵۵۴)

''جو اجماع قطعی و یقینی ضروریات دین سے ہے اس کا منکر کافر ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں ہاں تاویل کے ساتھ امر قطعی کا انکار ہو تو اس کی تکفیر میں اختلاف ہے۔ بہت سے فقہا و متکلّمین اہل سنت اس کی تکفیر کے قائل ہیں اور جمہور اہل سنت کا مختار مذہب یہ ہے کہ **جو بدعتی اہل قبلہ غیر ضروریات دین میں تاویل کرتا ہو اس کی تکفیر نہ کی جائے کیوں کہ تاویل کی وجہ سے شبہہ پیدا ہوتا ہے** جیسا کہ خزانۃ الجرجانی، محیط برہانی، احکام رازی اور اصول بزدوی میں ہے جسے علامہ کرخی و حاکم نے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے، جرجانی نے حسن بن زیاد سے، شارح مقاصد و آمدی نے امام شافعی اور امام ابوالحسن اشعری رحمہما اللہ تعالیٰ سے روایت کی، نہ یہ کہ مطلقاً تکفیر نہ کی جائے۔

''فتاویٰ حدیثیہ'' میں ہے:

''ولا يكفر بإنكار قطعي غير ضروري كاستحقاق بنت الابن السدس مع بنت الأب وظاهر كلام الحنفية كفره ويجب حمله أي بناء على قواعدهم على منكر علم أنه قطعي وإلا فلا يكفر.'' (باب أصول الدين، ص: ١٤١، دار الفكر)

''جو قطعی امر ضروریات دین سے نہ ہو اس کے انکار پر تکفیر نہ کی جائے گی جیسے صلبی بیٹی کی موجودگی میں پوتے کے لیے چھٹے حصہ کا انکار اور حنفیہ کا ظاہر کلام تکفیر کی جانب مشعر ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ ان کا کلام اس بات پر محمول کیا جائے کہ قطعی کی قطعیت کا انکار کرے تو تکفیر ہوگی، جیسا کہ ان کے قواعد کا اقتضا ہے ورنہ تکفیر نہ ہوگی۔''

احتمال وایہام کا فرق

احتمال اور ایہام کے درمیان فرق اس مقام کے مناسب معلوم ہوتا ہے تاکہ حکم شرع کی تحقیق میں کسی قسم کا التباس نہ ہو جیسا کہ بہت سے لوگوں پر احتمال وایہام کا فرق مشتبہ ہونے کی بنیاد پر حکم شرع مشتبہ ہو گیا۔ امام احمد رضا قدس سرہ نے اپنے فتاوی کے اندر اس حقیقت کو خوب خوب روشن فرمایا ہے اور دونوں کے درمیان فرق کو واشگاف فرمایا ہے جیسا کہ فرماتے ہیں:

''اولاً اس تمام کلام مختل النظام کا مبنی ہی سرے سے پادر ہوا ہے ممنوع ایہام ہے نہ کہ مجرد احتمالی ولوضعیفا بعیدا (اگرچہ ضعیف اور بعید ہو۔ت) ایہام واحتمال میں زمین وآسمان کا فرق ہے، ایہام میں تبادر در کا ہے ذہن اس معنی ممنوع کی طرف سبقت کرے، نہ یہ کہ شکوک محتملہ عقلیہ میں کوئی شق معنی ممنوع کی بھی نکل سکے۔

تلخیص میں ہے:

الایھام ان یطلق لفظ له معنیان قریب و بعید و یراد به البعید.

ایہام یہ ہے کہ ایسا لفظ بولا جائے جو دو معانی رکھتا ہو ایک معنی قریب اور دوسرا معنی بعید ہو اور اس لفظ کو بول کر معنی بعید مراد لیا جائے۔(ت)

(تلخیص المتاح الفن الثالث مکتبہ ضیائیہ راولپنڈی ص۱۰۵و۱۰۶)

علامہ سید شریف قدسی سرہ الشریف کتاب التعریفات میں فرماتے ہیں:

الایھام و یقال له التخییل ایضا وھو ان یذکر لفظ له معنیان قریب وغریب فاذا سمعه الانسان سبق الٰی فھمه القریب و مراد المتکلم الغریب واکثر المتشابھات من ھذا الجنس ومنه قوله تعالٰی : والسمٰوٰت مطویات بیمینه.

ایہام تخییل بھی کہلاتا ہے مراد یہ ہے کہ ایسا لفظ ذکر کیا جائے کہ اس کے دو معنی ہوں

ایک قریب اور دوراغریب، جب کوئی بندہ اسے سنے تو اس کا فہم معنی قریب کی طرف لپکے (یعنی وہی متبادر الی الفہم ہو) لیکن متکلّم کی مراد معنی غریب ہو۔ زیادہ تر متشابہات اسی قسم سے ہوتے ہیں، اور اللہ تعالٰی کا ارشاد کہ "اس دن سب آسمان اس کے دائیں ہاتھ میں طومار کی طرح لپٹے ہوں گے" اسی قسم سے ہے۔ (ت)

(التعریفات لسیّد شریف علی الجرجانی باب الالف انتشارات ناصر خسرو طہران ایران ص۱۸)

مجرد احتمال اگر موجب منع ہو تو عالم میں کم کوئی کلام منع وطعن سے خالی رہے گا، زید آیا گیا اٹھا بیٹھا، عمرو نے کھایا پیا کہا سنا، مجیب صاحب نے سوال دیکھا جواب لکھا وغیرہ وغیرہ سب افعال اختیاریہ کی اسناد دو معنی کو محتمل۔ ایک یہ کہ زید و عمرو مجیب نے اپنی قدرت ذاتیہ مستقلہ تامہ سے یہ افعال کئے، دوسرے قدرت عطائیہ ناقصہ قاصرہ سے اول قطعاً شرک ہے لہٰذا ان اطلاقات سے احتراز لازم ہوجائے گا اور یہ بداہۃً قطعاً اجماعاً باطل ہے۔ فاضل مجیب نے بھی عمر بھر اپنے محاورات روزانہ میں ایسے ایہامات شرک برتے اور ان کی تصانیف میں ہزار در ہزار ایسے شرک بالایہام بھرے ہوں گے، جانے دیجئے نماز میں وتعالٰی جدّک تو شاید آپ بھی پڑھتے ہوں "جد" کے دوسرے مشہور و معروف بلکہ مشہور تر معنی یہاں کیسے صریح شدید کفر ہیں، عجیب کہ اتنے بڑے کفر کا ایہام جان کر اسے حرام نہ مانا تو بات وہی ہے کہ ایہام میں تبادر و سبقت واقربیت درکار ہے اور وہی ممنوع ہے نہ کہ مجرد احتمال، یہ فائدہ واجب الحفظ ہے کہ آج کل بہت جُہلا ایہام احتمال میں فرق نہ کرکے ورطہ غلط میں پڑتے ہیں۔

ثانیاً ایسی ہی نکتہ تراشیاں ہیں تو صرف ہدایت علی پر کیوں الزام رکھئے مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ کے نام پاک علی کو اس سے سخت تر شنیع کہئے وہاں تو چار احتمالوں سے ایک میں آپ کو شرک نظر آیا تھا، یہاں برابر کا معاملہ نصفا نصف کا حصہ ہے۔ علی کے دو معنی ہیں علو ذاتی کہ بالذات للذات متعالی عن الاضافات ہو (بلندی بالذات یعنی ذاتی بلندی بغیر کسی سبب اور واسطہ کے صرف اس ہستی پاک ہی کے لیے ہے جو تمام اضافتوں اور نسبتوں سے مبرا اور بلند

ہے۔ت) دوسرا اضافی کہ خلق کے لیے ہے اول کا اثبات قطعاً شرک تو علی میں ایہام شرک ہدایت علی سے دونا ٹھہرے گا ولایقول بہ جاھل فضلاعن فاضل (کوئی جاہل بھی یہ نہیں کہہ سکتا چہ جائیکہ کوئی فاضل یہ کہے۔ت)

ثالثاً ایک علی ہی کیا جس قدر اسمائے مشترکہ فی اللفظ میں الخالق والمخلوق ہیں، جیسے رشید وحمید وجمیل وجلیل وکریم وعلیم وحلیم ورحیم وغیرہا سب کا اطلاق عباد پر ویسا ہی ایہام شرک ہوگا جو ہدایت علی کے ایہام سے دوچند رہے گا، حالانکہ خود حضرت عزت نے انبیائے کرام علیہم الصلٰوۃ والسلام میں کسی کو ایک کسی کو دو نام اپنے اسمائے حسنٰی سے عطا فرمایا اور حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلم کے اسمائے طیبہ میں تو ساٹھ سے زیادہ آئے کما فصلہ العلماء فی المواھب وغیرھا (جیسا کہ علمائے کرام نے مواہب لدنیہ وغیرہ میں مفصل بیان دیا ہے۔ت)

(المواہب اللدنیۃ المقصد الثانی الفصل اول المکتب الاسلامی بیروت ۲/۱۵تا۲۱)

خود حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنا نام پاک حاشر بتایا، صحابہ کرام وتابعین وائمہ دین میں کتنے اکابر کا نام مالک تھا ان کے ایہام کو کہئے، درمختار وغیرہ معتمدات میں تصریح کی کہ ایسے نام جائز ہیں اور عباد کے حق میں دوسرے معنی مراد لیے جائیں گے نہ وہ جو حضرت حق کے لیے ہیں۔

جاز التسمیۃ بعلی ورشید وغیرھما من الاسماء المشترکۃ ویراد فی حقنا غیر ما یراد فی حق اللہ تعالٰی.

علی، رشید اور ان کے علاوہ دیگر اسماء مشترکہ کے ساتھ کسی کا نام رکھنا جائز ہے لہٰذا ہمارے حق میں وہ معنٰی مراد لیا جائے گا جو اللہ تعالٰی کے حق میں مراد نہیں لیا جاتا۔(ت)

(الدرالمختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/۲۵۲)

کیوں نہیں کہتے کہ ایسے نام بوجہ اشتراک ناجائز ہیں کہ دوسرے معنی شرک کا احتمال باقی ہے، ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم (گناہوں سے محفوظ رہنے اور نیکی

کرنے کی طاقت کسی میں نہیں سوائے اللہ تعالٰی بزرگ و عظیم ذات کی توفیق کے۔ت)

رابعًا سائل نے اپنی جہالت سے صرف عبداللہ میں شرک سے سوال کیا تھا حضرت مجیب نے اپنی نبالت سے وغیرہ بھی بڑھا دیا کہ اپنے نام نامی کو ایہام شرک سے بچالیں مگر جناب کی دلیل سلامت ہے تو اس ایہام سے سلامت بخیر ہے۔ عبدالحی میں دو جزو ہیں اور دونوں کے دو دو معنی، ایک عبد مقابل الہ، دوم مقابل آقا۔

قال اللہ تعالی: وَ اَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَ الصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَ اِمَآئِكُمْ ؕ.

اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: لوگو! تم میں سے جو نکاح کے بغیر (یعنی غیر شادی شدہ) ہیں اور جو تمھارے صالح غلام اور لونڈیاں ہیں ان کے ساتھ نکاح کردو (ت)

(القرآن الکریم ۳۲/۲۴)

دیکھو حق سبحانہ، نے ہمارے غلاموں کو ہمارا عبد فرمایا، یوں ہی ایک حی اسم الٰہی کہ حیات ذاتیہ، ازلیہ، ابدیہ، واجبہ سے مشعر، اور دوسرا من و تُو، زید و عمرو سب پر صادق، جس سے آیت کریمہ: "تخرجه الحی من المیت." (اے اللہ تعالٰی! تو مردے سے زندہ نکالتا ہے۔ت) وغیرہا مظہر۔ (القرآن الکریم ۲۷/۳)

اب اگر عبد بمعنی اول اور حی بمعنی دوم لیجئے قطعًا شرک ہے وہی چار صورتیں ہیں اور وہی ایک صورت پر شرک موجود، پھر عبدالحی ایہام شرک سے کیوں کر محفوظ، اس سے بھی احتراز لازم تھا، بعینہ یہی تقریر حضرت بابرکت فاضل کامل صحیح لعقیدہ سنی مستقیم جناب مستطاب مولانا مولوی عبدالحلیم رحمۃ اللہ علیہ کے اسم میں جاری ہوگی ملاحظہ ہو کہ یہ تشقیق و تدقیق کہاں تک پہنچی نسأل اللہ سلامۃ (ہم اللہ تعالٰی سے سلامتی کا سوال کرتے ہیں۔ت) فقیر کے نزدیک ظاہرًا یہ پھڑکتی ہوئی برہان حضرت مجیب کو جناب سائل کے فیض سے پہنچی، سائل نے ذکر کی، مجیب نے بے غور کئے قبول کرلی ورنہ ان کا ذہن شاید ایسی دلیل ذلیل علیل کلیل کی طرف ہرگز نہ جاتا جس سے خود ان کا نام نامی بھی عادم الجواز و لازم الاحتراز قرار پاتا۔

(فتاوی رضویہ مترجم، ۶۹۵/۲۴ تا ۶۹۸، رسالہ: النور والضیاء في أحکام بعض الأسماء، برکات رضا، پوربندر، گجرات)

اس سے صاف ظاہر ہے کہ ایہام واحتمال میں کھلا ہوا فرق ہے کہ ایہام اسے کہتے ہیں کہ لفظ کے دو معنی ہوں ایک معنی قریب اور دوسرے معنی بعید، سننے والا جب اسے سنے تو اس کا فہم قریب معنی کی طرف سبقت کرے یعنی معنی قریب فہم کی طرف متبادر ہو اور متکلّم کی مراد معنی بعید ہو اور احتمال یہ ہے کہ کسی شی سے جو بات ظاہر ہو اس میں اس کے علاوہ دیگر معنی کی بھی صلاحیت ہو۔ شرعًا وہ ایہام ممنوع ہے جس میں ذہن معنی ممنوع کی طرف سبقت کرے۔ بلفظ دیگر معنی ممنوع فہم کی طرف متبادر ہو تو ایسا ایہام شرعًا ممنوع ہے۔ محض معنی ممنوع کا عقلاً محتمل ہونا منع کے لیے کافی نہیں، اگر محض احتمال عقلی کافی ہو تو کوئی کلام ممانعت سے خالی نہ رہے گا، مثلاً بولتے ہیں: زید آیا۔ اس میں دو معنی کا احتمال ہے: ایک یہ کہ زید نے اپنی ذاتی و کامل و مستقل قدرت سے آنے کا کام کیا۔ دوسرے یہ کہ اللہ سبحانہ کی عطا فرمودہ غیر مستقل ناقص و ناتمام قدرت سے یہ کام کیا۔ پہلا معنی قطعًا شرک ہے کہ کامل و مستقل و ذاتی قدرت اللہ سبحانہ کی خاص صفت ہے، بندہ کی نہیں جو قدرت بندہ کی صفت ہے وہ کامل و مستقل و ذاتی نہیں بلکہ عطائی ہے جو اللہ سبحانہ کی عطا سے حاصل ہے کہ بندہ اللہ سبحانہ کی عطا فرمودہ طاقت و قوت اور قدرت ہی سے ہر کام کرتا ہے اور یہ قدرت غیر مستقل، غیر کامل، غیر ذاتی ہے کہ یہ عطائی ہے۔ بندہ اپنی قدرت میں اللہ تعالی کا محتاج ہے "إن الله لغني عن العٰلمين". مستقل و کامل قدرت صرف ذاتی قدرت ہی ہے جو اللہ سبحانہ کی خاص صفت ہے۔ اب اگر محض معنی ممنوع کے احتمال کے سبب اطلاق (بولنا) ممنوع ہو تو یہ کہنا ممنوع ہوگا کہ زید آیا، یا زید گیا، یا زید نے پڑھا وغیرہ۔ اس لیے کہ یہاں ایک معنی ممنوع اپنی کامل و مستقل ذاتی قدرت سے کام کرنے کا احتمال ہے جو کہ شرک ہے (کہ یہ اللہ سبحانہ کی خاص صفت ہے، بندہ کی نہیں) حالاں کہ اس اطلاق کا ممنوع ہونا بدیہی طور پر قطعًا و اجماعًا باطل ہے جس سے روشن ہوا کہ محض معنی ممنوع کا احتمال منع کے لیے

کافی نہیں بلکہ ذہن کی طرف معنی ممنوع کا متبادر ہونا در کار ہے اور یہاں (زید آیا میں) معنی ممنوع کی طرف ذہن سبقت نہیں کرتا بلکہ ذہن کی طرف یہی متبادر ہوتا ہے کہ زید اللہ تعالی کی عطا فرمودہ قوت وقدرت (جو کہ غیر کامل و غیر مستقل، ناتمام و ناقص ہے) سے آیا تو یہ اطلاق کیوں کر ممنوع ہوگا؟ اسی طرح اسم ''علی''علو سے مشتق ہے اور علو کا دو معنی ہے: علوِ ذاتی، یعنی بلا واسطہ وسبب خود سے بلند ہونے والا جو اللہ عزوجل کی خاص صفت ہے اور دوسرا علوِ اضافی جو مخلوق کی صفت ہے جس کا معنی کسی سبب سے بلند ہونے والا۔ ظاہر ہے کہ یہ اسم دونوں معنوں کا احتمال رکھتا ہے، اگر محض احتمال معتبر ہو اور تبادر ذہنی معتبر نہ ہو تو اس اسم کا اطلاق اللہ عزوجل کے سوا کسی پر جائز نہ ہوگا بلکہ معنی اول کے احتمال کے اعتبار سے اس کا اطلاق ماسوا اللہ پر شرک ہوگا جب کہ اس احتمال کے باوجود اس کا اطلاق ماسوا اللہ پر شائع ہے جس سے معلوم ہوا کہ منع کے لیے محض احتمال کافی نہیں بلکہ تبادر ذہنی اور سبقت واقربیت در کار ہے۔ مختلف مثالوں سے امام احمد رضا قدس سرہ نے ایہام واحتمال کے درمیان فرق واضح فرمایا اور یہ فرمایا کہ ایہام میں تبادر وسبقت واقربیت در کار ہے اور وہی ممنوع ہے نہ کہ مجرد احتمال۔

واضح رہے کہ کسی شخص معین کی تکفیر و تضلیل ہر کس و ناکس کا کام نہیں بلکہ فقہ وافتا کے نشیب وفراز سے واقف، حالات زمانہ سے آگاہ، رمز شناس، دقیقہ سنج، اخاذ طبع، عادل ومنصف مزاج، بالغ نظر فقہاے کرام، مفتیان ذوی الاحترام و امناے شرع مبین کا اہم منصب ہے جو پوری امانت ودیانت، غیر جانب داری اور کامل ژرف نگاہی کے ساتھ بے خوف لومۃ لائم اطلاع تام، فہم کامل اور ثبوت شرعی فراہم ہونے کے بعد ''أفضل الجهاد كلمة الحق عند السلطان الجائر'' کا کامل مظہر بن کر حکم شرع صادر فرماتے ہیں اور بلا تحقیق کامل، بے ثبوت شرعی، بے اطلاع تام، بے فہم کامل و بے اتمام حجت تکفیر و تضلیل سے اپنی زبان وقلم کو روکتے ہیں؛ اس لیے کہ تکفیر و تضلیل ایک امر عظیم ہے اگر یہ اہم عہدہ ومنصب ہر کس و ناکس کو حاصل ہو جائے تو دین وشرع سے امان اٹھ جائے گا، وہ حق کو ناحق اور ناحق کو

حق ثابت کرنے کی سعی لاحاصل اور ناکام کوشش کرے گا اور اپنے سنان قلم سے کبھی خون ناحق اور کبھی بے جا حمایت کر کے کفر کو ایمان اور ایمان کو کفر ثابت کرے گا اور خیر امت کو افتراق وانتشار کے چاہ عمیق میں غرقاب کر دے گا۔

بہتر ہو گا کہ اس امر عظیم کے لیے ایک شرعی بورڈ قائم کیا جائے جس میں مذکورہ بالا صفات کے حال اُمنائے شرع مبین شامل ہوں اور تحقیق و ثبوت شرعی کے بعد متفقہ حکم صادر کر کے امت کو افتراق وانتشار اور کفر و ضلال سے بچائیں، جیسا کہ امام احمد رضا قدس سرہ نے اپنے عہد میں رونما فتنہ کفر و ضلال کا سر قلم کرنے کے لیے اتمام حجت اور تحقیق کامل کے بعد علمائے عرب و عجم کی خدمت میں اقانیم اربعہ کے ضروریات دین کے انکار پر مشتمل خالص کفر صریح متعیّن کو پیش کیا اور استصواب رائے اور کامل وضوح حق کے بعد تکفیر کا حکم صادر کرتے ہوئے فرمایا:

”علمائے حرمین طیبین نے بالاتفاق نام بنام ان سب کی تکفیر کی اور صاف فرمایا: ”من شك في كفره وعذابه فقد كفر.“ جو ان کے صریح متعیّن کفری اقوال پر آگاہ و مطلع ہو کر ان کے کفر و عذاب میں شک کرے وہ بھی کافر ہے جیسا کہ ”حسام الحرمین“، ”المستند المعتمد“ اور آپ کی دیگر تحریروں سے آفتاب روز روشن سے زیادہ ظاہر ہے۔

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم　　　چشمہ آفتاب را چہ گناہ

”وقد تنكر العين ضوء الشمس من رمد.“

امام احمد رضا نے تکفیر کے مقام میں متکلّمین محتاطین کے احوط مذہب کو اختیار فرمایا اور فرمایا:

”بالجملہ تکفیر اہل قبلہ واصحاب کلمہ طیّبہ میں جرأت وجسارت محض جہالت بلکہ سخت آفت جس میں وبال عظیم ونکال کا صریح اندیشہ والعیاذ باللہ رب العالمین، فرض قطعی ہے کہ اہل کلمہ کے ہر قول و فعل کو اگرچہ بظاہر کیسا ہی شنیع و فظیع ہو حتی الامکان کفر سے بچائیں اگر کوئی ضعیف سے ضعیف، نحیف سے نحیف تاویل پیدا ہو جس کی رُو سے حکمِ اسلام نکل سکتا ہو تو اس کی

طرف جائیں، اور اس کے سوا اگر ہزار احتمال جانبِ کفر جاتے ہوں خیال میں نہ لائیں۔"

حدیث میں ہے حضور سیّد العالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

"الإسلام يعلوولايعلى. أخرجه الرؤيانى والدارقطنى والبيهقى والضياء فى المختارة والخليل كلهم عن عائذ بن عمر والمزفى رضى الله تعالى عنه." (سنن ادارقطنی باب المهر نشر السنة ملتان ۳ / ۲۵۲)

اسلام غالب رہتا ہے مغلوب نہیں ہوتا۔ اس کو رویانی، دارقطنی، بیہقی، مختارہ میں ضیاء اور خلیل نے عائذ بن عمرو مزنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔ (ت)

احتمال اسلام چھوڑ کر احتمالاتِ کفر کی طرف جانے والے اسلام کو مغلوب اور کفر کو غالب کرتے ہیں والعیاذ باللہ رب العالمین۔"

(فتاوی رضویہ مترجم، ج:۱۲، کتاب النکاح والطلاق)

"اہل لا إله إلا الله پر بدگمانی حرام، اور ان کے کام کہ جس کے صحیح معنی بے تکلف درست ہوں خواہی نخواہی معاذاللہ معنی کفر کی طرف ڈھال لے جانا قطعاً گناہ کبیرہ ہے۔"

(فتاوی رضویہ مترجم، ج:۲۱، کتاب الحظر والاباحۃ)

"اگر یہ ثبوت معتمد ثابت ہو اور گنجائش تاویل رکھتا ہے تاویل واجب اور مخالفت مندفع۔ اولیاء کی شان تو ارفع ہر مسلمان سنی کے کلام میں تا حد امکان تاویل لازم۔"

(فتاوی رضویہ مترجم، ج:۲۲، کتاب الحظر والاباحۃ)

"بالجملہ مسلمانوں پر بدگمانی حرام اور حتی الامکان اس کے قول وفعل کو وجہ صحیح پر حمل واجب، اور یہاں ارادہ قلب پر بے تصریح قائل حکم لگانے کی اصلا راہ نہیں، اور حکم بھی کیسا کفر و شرک کا، جس میں اعلیٰ درجہ کی احتیاط فرض، یہاں تک کہ ضعیف سے ضعیف احتمال بچاؤ نکلتا ہو تو اسی پر اعتماد لازم، كما حقق كل ذٰلك الائمة المحققون فى تصانيفهم الجليلة (جیسا کہ ائمہ محققین نے اپنی تصانیف میں اس کی تحقیق فرمائی ہے۔ ت)"

اگر بالفرض بعض کور دل احمقوں پر یہ ثبوت شرعی ثابت بھی ہو کہ ان کا مقصود معاذاللہ عبادات غیر ہے تو حکم کفر صرف انھیں پر صحیح ہوگا ان کے سبب حکم عام لگادینا اور باقی لوگوں کی بھی یہی نیت سمجھ لینا محض باطل۔

قال الله تعالی : وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی ۚ.

"اللہ تعالی نے فرمایا: اور کوئی بوجھ اٹھانے والی جان دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گی۔"

(فتاوی رضویہ مترجم، ج:۲۲، کتاب الحظر والاباحۃ)

"ہمیں ہمارے نبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے اہل لا الہ الا اللہ کی تکفیر سے منع فرمایا ہے، جب تک وجہ کفر آفتاب سے زیادہ روشن وجلی نہ ہوجائے اور حکم اسلام کے لیے کوئی ضعیف ساضعیف محمل بھی نہ رہے فان الاسلام یعلو ولایعلی. (اسلام غالب ہے مغلوب نہیں۔ت)" (فتاوی رضویہ مترجم، ج:۱۵، کتاب السیر)

اقوال کا کلمۂ کفر ہونا اور بات، اور قائل کو کافر مان لینا اور بات، ہم احتیاط برتیں گے سکوت کریں گے، جب تک ضعیف ساضعیف احتمال ملے گا حکم کفر جاری کرتے ڈریں گے، فقیر غفرلہ تعالی نے اس مبحث کا قدرے بیان آخر رسالہ سبحن السبوح عن عیب کذب مقبوح (۱۳۰۷ھ) میں کیا۔ (فتاوی رضویہ مترجم، ج:۱۵، کتاب السیر)

اس کمال احتیاط کے باوجود امام احمد رضا قدس سرہ کی شان میں مسلسل دشنام طرازی عناد ودشمنی اور تعصب ونفسانیت کے سوا کچھ نہیں۔ آپ نے اصحاب فقہ وافتا کو اپنی ان گراں قدر تحریروں کے ذریعہ تکفیر وتضلیل کے باب میں اصحاب فقہ وافتا کو نہ صرف دعوت فکر دی ہے اور بے جا وبے محل تکفیر وتضلیل کا سدراہ فرمایا ہے بلکہ تکفیر وتضلیل کا ایک اہم ضابطہ ارقام فرمایا ہے جس سے تکفیر وتضلیل کے اہم باب میں چارۂ کار نہیں۔ امام احمد رضا قدس سرہ کے نقوش وخطوط کو اختیار کیا جائے تو مطلق العنانی کا یکسر خاتمہ ہوجائے گا اور مسلم معاشرے میں امن وامان قائم ہو گا اور خیر امت افتراق وانتشار سے بچے گی۔ والله الهادی إلی سواء السبیل.

خلاصۂ کلام

ان ساری بحثوں سے یہ روشن ہوا کہ محققین فقہا و متکلّمین کے مذہب احوط پر صرف ضروریات دین ہی کے انکار پر منکر کی تکفیر کی جائے گی اور ضروریات مذہب اہل سنت وضروریات عقائد اہل سنت کے انکار پر تضلیل کی جائے گی، تکفیر نہیں۔ محققین فقہا و متکلّمین کے نزدیک تکفیر کے لیے التزام کفر ضروری ہے، التزام کفر کے بغیر محض لزوم کفر پر تکفیر نہیں کی جائے گی جب کہ جمہور فقہا محض لزوم کفر پر تکفیر فرماتے ہیں۔

ضروریات اپنے ذاتی روشن بدیہی ثبوت کے سبب مطلقاً ہر ثبوت سے غنی ہوتے ہیں یہاں تک کہ اگر بالخصوص ان پر کوئی نص قطعی اصلاً نہ ہو جب بھی ان کا وہی حکم رہے گا کہ منکر یقیناً کافر۔

ضروریات دین میں کوئی تاویل یا اس کے عموم میں کچھ قیل و قال اصلاً مسموع نہیں۔ البتہ تکذیب و توہین پر دلالت کرنے والے افعال وامارات پر اور ضروریات دین کے انکار پر بالاتفاق تکفیر کی جائے گی۔ ضروریات دین کا جس طرح انکار کفر ہے یوں ہی ان میں شک و شبہہ اور احتمال خلاف، ماننا بھی کفر ہے یوں ہی ان کے منکر یا ان میں شاک کو مسلمان کہنا اسے کافر نہ جاننا بھی کفر ہے۔ ہاں اگر کوئی مسئلہ اجماعی یا دلیل قطعی سے ثابت ہو تو جمہور فقہا کے نزدیک اس کے منکر کی تکفیر کی جائے گی چاہے وہ ضروریات دین سے ہو یا نہ ہو اور محققین فقہا و متکلّمین کے نزدیک منکر کی اس وقت تکفیر کی جائے گی جب کہ وہ ضروریات دین سے ہو ورنہ تضلیل کی جائے گی۔

نیز کفر کے لیے بطور تواتر ثبوت ضروری ہے اور ضروریات دین میں ضرورت بمعنی بداہت ہے اور افراد واشخاص کے اعتبار سے بداہت ونظریت مختلف ہوتی ہے۔ تاویل صحیح (جو دلیل سے ناشی ہو) فقہا و متکلّمین دونوں کے نزدیک بالاتفاق مقبول ہے اور تاویل باطل

(تاویل متعذر) دونوں حضرات کے نزدیک بالاتفاق نامقبول ہے۔ البتہ تاویل بعید (تاویل فاسد جو کسی دلیل کے شبہہ کی بنیاد پر ہو) متکلّمین محتاطین کے نزدیک مقبول ہے، جمہور فقہا کے نزدیک مقبول نہیں۔ فقہا کے نزدیک صریح کا معنی متبیّن (ظاہر) اور متکلّمین کے نزدیک صریح کا معنی متعیّن ہونا مراد ہے۔ قائل کا کلام معنی کفر میں صاف وصریح ناقابل تاویل وتوجیہ ہو اور پھر بھی حکم کفر نہ ہو تو اسے کفر نہ کہنا کفر کو اسلام ماننا ہوگا اور جو کفر کو اسلام مانے وہ خود کافر ہے۔ لزوم کفر پر تکفیر اور عدم تکفیر کی قائل ایک ہی جماعت نہیں بلکہ جمہور فقہا و محققین کی دو الگ الگ جماعتیں ہیں۔ اصطلاح ائمہ میں اہل قبلہ وہ ہے جو تمام ضروریات دین پر ایمان رکھتا ہو، ان میں سے کسی ایک بات کا بھی منکر ہو تو قطعاً یقیناً اجماعا کافر و مرتد ہے ایسا کہ جو اس کے کفر پر مطلع ہو کر اسے کافر نہ کہے وہ خود کافر ہے۔ جو مسائل علمائے اہلسنت میں مختلف فیہ ہوں اُن میں کسی طرف تکفیر و تضلیل ممکن نہیں۔

اہل سنت کے نزدیک اہل قبلہ سے کسی کو کافر نہ کہنے سے یہ مراد ہے کہ اسے کافر نہ کہیں گے جب تک اس میں کفر کی کوئی علامت و نشانی نہ پائی جائے اور کوئی بات موجب کفر اس سے صادر نہ ہو۔ کلام محتمل وہ ہے جس میں اسلام و کفر دونوں ہی قسم کے معنی کا احتمال ہو، کلام محتمل پر متکلّمین تکفیر نہیں فرماتے۔ البتہ اگر وہ معنی کفر میں متعیّن ہوجائے تو اب محتمل سے نکل کر مفسر اور صریح متعیّن ہو جائے گا۔ احتمال وہ معتبر ہے جس کی گنجائش ہو صریح بات میں تاویل نہیں سنی جاتی ورنہ کوئی بات بھی کفر نہ رہے۔ ایسی صورت میں فقہا و متکلّمین دونوں بالاتفاق منکر کی تکفیر کریں گے۔ قائل اگر کفری معنی کی صراحت کردے تو اب کسی کی کوئی تاویل اسے نفع نہ دے گی۔ کسی قائل کو کافر قرار دینے کے لیے یقین قطعی درکار ہے بے یقین قطعی کسی کلمہ گو کی تکفیر ہرگز روا نہیں "فإن الإسلام يعلو و لا يعلى."

☆☆☆☆☆